

داعی اسلام ﷺ کی

حیات طیبہ

ابو سلیم محمد عبدالمحی



اسلامک پبلی کیشنر (پرائیویٹ) لمیٹڈ

- 3 - کورٹ سڑیت، لوئر مال روڈ، لاہور

الله
الله
الله

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حیات طیبہ
مصنف	:	ابو سعید محمد عبدالحی
اشاعت	:	ستمبر ۲۰۰۸ء
ایڈیشن	:	۳۹
تعداد	:	۲۱۰۰
اهتمام	:	پروفیسر محمد امین جاوید (میجنگ؛ اریکنر) اسلامک پبلی کیشنز (پرانیویٹ) لمیٹڈ
فون	:	۳۔ کورٹ شریٹ، لورڈ مال لاہور، پاکستان فیکس: 042-7214974، 042-7248676-7320961
ویب سائٹ	:	www.islamicpak.com.pk
ایمیل	:	islamicpak@yahoo.com
طبع	:	قومی پرنس، لاہور
قیمت	:	105/- روپے

فہرست مضمون

12	تحریک اسلامی اور اس سے پہلے	پہلا باب:
24	پیدائش اور بچپن	دوسرا باب:
28	نبوت سے پہلے	تیسرا باب:
34	نبوت کی ابتداء	چوتھا باب:
38	دعوت کی ابتداء	پانچواں باب:
43	☆ پہلا دور۔ خطبہ دعوت	
46	☆ دوسرا دور۔ اعلانِ دعوت	
55	☆ تیسرا دور۔ ابتداء اور آزمائش	
67	☆ چوتھا دور۔ مظالم اور مصائب کی انتہا	
74	معجزات اور معراج	چھٹا باب:
91	ہجرت	ساتواں باب:
100	دعوت اسلامی ایک نئے دور میں	آٹھواں باب:
106	تحریک اسلامی کی مدافعت	نواں باب:
113	☆ غزوہ بدرا	
125	☆ غزوہ احد	

136	غزوہ بنی قبیلہ	☆
137	بنی نصر کا اخراج	☆
139	غزوہ احزاب	☆
145	نبوۃ رحیم کا خاتمه	☆
146	صلح حدیبیہ	☆
152	دوں باب: سلاطین کے نام خطوط	
158	گیارہوں باب: حکومت اسلامی کا احکام	
160	خیبر پر حملہ	☆
165	فتح کہ	☆
171	غزوہ حنین	☆
174	غزوہ تبوک	☆
193	بارہوں باب: آخری حج اور وفات	

عرضِ ناشر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہر مسلمان کے لیے خواہ مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں، ہر دور میں منجع ہدایت و رہنمائی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے لیے ہر لمحہ، ہر قدم پر اور زندگی کے ہر شعبے میں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات نہایت ضروری ہیں۔ اس ہی ضرورت کے پیش نظر سیرت پاک پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر تاریخی واقعات کا محض خٹک مجموعہ ہیں اور مشکل ہی سے کہیں حضورؐ کی داعیانہ اور سرگرم شخصیت کی جھلک ملتی ہے۔

محمد عبدالحی صاحب نے جو ہندوپاک کے اسلامی مصنفوں میں ایک نہایاں مقام رکھتے ہیں، اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت آسان زبان اور موثر امداز میں، حیاتِ طیبہ، کو پیش کیا ہے جس سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ حضرات یکساں، ہر پر مستفید ہو سکتے ہیں اور اس انقلابی شخصیت (فداہ ابی راجمی) سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں جس نے ہماری زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کے لیے اسوہ حسنہ چھوڑا ہے۔

پہلے ہم نے اس کتاب کے ۱۲ ایڈیشن لیتھو طباعت پر پیش کیے تھے اور اب اپنے اعلیٰ معیار طباعت کی ووایات کے مطابق اس کو آفسٹ کی حسین طباعت پر پیش کر رہے ہیں امید ہے کہ شاائقین اس پیشکش کو پسند فرمائیں گے۔

نیازمند

میجنگ ڈائریکٹر

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لیٹڈ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ^۵

نبی عربی حضرت محمد ﷺ کی سیرت پاک ایک ایسا موضوع ہے جس پر بے شمار لوگوں نے لکھا ہے اور قیامت تک اس سعادت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ موضوع ہی کچھ ایسا ہے کہ چاہے اس پر جتنے لوگ لکھیں اور جتنا کچھ لکھیں کبھی مضمون کی خشکی اور عدم دلچسپی کی شکایت پیدا نہ ہو سکے گی۔ نبی پاکؐ کی حیات طیبہ کے اتنے گوشے ہیں اور ہر گوشے کے اتنے تقاضے کہ کبھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا۔ یہاں تو وہی حال ہے کہ:

کر شمہہ دامنِ دی می کشد کہ جا انجاست

اُردوزبان میں اسی موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں آسان بھی، مشکل بھی، مختصر بھی اور طویل بھی۔ لیکن ایک عرصے سے دل میں خلش تھی کہ کوئی کتاب اس زبان میں ایسی بھی ہوتی جس میں دائیٰ اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کی تفصیل کچھ اس انداز سے سامنے آتی کہ پڑھنے والے کے سامنے اس کا عظیم اور اس تحریک کا بھی ایک نقشہ آتا چلا جاتا جس کے پورا کرنے پر آنحضرت ﷺ مأمور تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کوئی آسان کام نہیں اس کے لیے وسیع علم، عمده تصنیفی صلاحیت، ضروری کتب کی خاطر خواہ فراہمی اور کافی فرصت کی ضرورت ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اس خدمت کی سعادت اپنے کس بندے کو عطا فرمائے۔

اتفاق، کہ ۱۲ اگست ۱۹۵۳ء سے ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء تک ڈسٹرکٹ جیل رائے برٹلی میں، اور اسباب تو نہیں، البتہ فرصت کافی میسر آئی اس وقت یہ خیال سامنے آیا کہ اس نظر بندی کی مدت کو کیسے زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے فضل و کرم نے رہنمائی فرمائی اور طبیعت اس راہ پر یک سو ہو گئی کہ اس فرصت کو اس خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جائے جس کا ذکر اور پر کیا جا چکا ہے۔

جیل میں کتابوں کی ایک محدود تعداد ہی مہیا ہو سکتی تھی۔ چنانچہ سیرت النبی ﷺ تفہیم القرآن اور چند دوسری چھوٹی چھوٹی کتابوں کے علاوہ وہاں کچھ اور فراہم نہ ہو سکا اور اللہ کا نام لے کر ان ہی کتابوں کی بنیاد پر آسان زبان میں اپنی استعداد کی حد تک اس خواہش کی تمجید کر لی جو عرصے سے دل میں ابھرا کرتی تھی۔

موضوع کا حق کہاں تک ادا ہو سکا اس کا اندازہ مطالعہ کرنے والوں کو تو کتاب کے مطالعہ سے ہوئی جائے گا۔ البتہ لکھنے والے کو پورا پورا احساس ہے کہ اس موضوع کا حق ادا کرنے کی نہ اس میں الہیت تھی اور نہ اس کے لیے اسباب ہی فراہم تھے۔ اس کے باوجود کچھ امید یہ تھیں جن کی بنیاد پر اس کام کے کرنے کی ہمت ہوئی اور اسے کر لیا گیا۔

(۱) ہو سکتا ہے کہ یہ ادنیٰ کوشش دوسرے باصلاحیت لوگوں کے لیے ایک محرک بن جائے اور وہ اس کام کو مکا حقہ، کر دیں۔

(۲) آسان اردو میں سیرت پاک پر ایک نئے انداز سے لکھی ہوئی ایک کتاب کا اضافہ ہو جائے۔

(۳) یہ امید کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ کچھ لوگوں کی تحریک اسلامی کام زانج اور اس کے طریقہ کار کی طرف رہنمائی ہو جائے اور اس طرح کچھ نئی روحوں میں اسلامی نصب العین کی طرف بڑھنے کا اولہ ابھر آئے۔

محمد عبدالجی

ڈسٹرکٹ جیل رائے بریلی

دوشنبہ ۲۰ ذی القعده ۱۴۳۷ھ

۱۹۵۵ء

اسلامی تحریک اور اس سے پہلے

- تحریک اسلامی کی اہمیت ☆
- تحریک اسلامی کا ایک امتیاز ☆
- اسلام کی دعوت کے وقت دنیا کے حالات ☆
- روم کی حکومت ☆
- ہندوستان ☆
- یہود ☆
- عرب کی حالت ☆
- تحریک اسلامی کے لیے عرب کی خصوصیات ☆
- عربوں کی اصلاح میں مشکلات ☆

اسلام یا محمد ﷺ کا پیغام دنیا کی ایک عظیم الشان اصلاحی تحریک ہے۔ وہی تحریک جسے
ہر زمانے اور ہر ملک میں اللہ کے بھیجے ہوئے نبی لاتے رہے ہیں۔ اس تحریک نے نہ صرف
زوالی بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی ایسی اصلاح کی ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ یہ
ایک ایسی ہمہ گیر تحریک ہے جو بیک وقت زوالی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی سب
کچھ ہے اور جس کے دائرے سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ باہر نہیں۔

تحریک اسلامی کی اہمیت:

دنیا میں اصلاحی اور انقلابی تحریکیں بہت سی اٹھتی رہی ہیں لیکن اسلامی تحریک اپنی
وسعت اور کچھ دوسری خصوصیات کے اعتبار سے ان سب سے ممتاز ہے۔ اس تحریک کا
اثھان کس طرح ہوا؟ اس کو پیش کرنے والے نے کس طرح پیش کیا اور اس کا کیا عمل ہوا؟
یہ سوالات ہر اس ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جس کو ابتداءً اس تحریک کا کچھ نہ کچھ تعارف ہوتا
ہے۔ لیکن ان سوالات کے جوابات معلوم کر لینا محض تاریخ دانی کے ذوق کی تکمیل ہی نہیں
ہے بلکہ ان جوابات کی اصل اہمیت یہ ہے کہ ان کو معلوم کرنے کے نتیجے میں ایک ایسی مکمل
اصلاحی تحریک ہمارے سامنے آتی ہے جو آج بھی ان تمام مسائل کے حل کرنے کے لیے
ضروری اور کافی ہے جن میں انسان الجھا ہوا ہے۔ یہ تحریک ایک طرف تو انسان کو اس کے
واقعی اور نقصان کا صحیح مطلب بتاتی ہے اور اس کے سامنے اس ابدی زندگی کی حقیقتیں واضح
کرتی ہے جو ہر انسان کی آخری منزل ہے اور دوسری طرف دنیا کی زندگی کے لیے ایک ایسا
لامجھ عمل تجویز کرتی ہے جو اس ابدی زندگی کو کامیاب بنانے کے ساتھ ساتھ اس زندگی کو اس
طرح سنوار دیتی ہے کہ پھر انسان کو ان تمام الجھنوں سے نجات مل جاتی ہے جن کے حل
کرنے میں وہ ہمیشہ پریشان رہا ہے اور آج بھی ہے۔

اسلامی تحریک کی یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر طالب علم کو متوجہ کرتی ہے کہ وہ اسے

قریب سے دیکھئے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ اس تحریک کے بارے میں جو یہ اتنا بڑا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ کہاں تک درست ہے۔

اسلامی تحریک کو سمجھنے کے لیے یوں تو بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی اور ان کی مدد سے اسلامی تاریخ کا نہایت واضح تعارف بھی ہو جاتا ہے، لیکن جس طرح روشنی کے تصور کو چراغ سے اور خوبیوں کے احساس کو پھول سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح کسی ایسی عظیم الشان تحریک کو بھی اس کے محکم کے تصور سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے جب لوگوں کے سامنے اسلامی تحریک کا ذکر آتا ہے تو وہ معاشر تحریک کے داعی حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے حالات اور تحریک کی دعوت کے اصل مأخذ یعنی قرآن پاک کی تشریع اور تفسیر کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ مطالبہ بالکل فطری ہے۔

تحریک اسلامی کا ایک امتیاز

سب جانتے ہیں کہ انسانیت کا سب سے مقدم فرض اور اس کی سب سے بہتر خدمت یہی ہے کہ لوگوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ ان کی برا یوں کوڈور کیا جائے۔ اور ان کے سامنے زندگی کا ایک ایسا مکمل نقشہ پیش کیا جائے جس پر چل کر انسان صحیح معنوں میں کامیاب ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے طریقوں پر کام کیے ہیں لیکن اس قسم کے اصلاحی کام کرنے والوں نے انسانی اصلاح کے کچھ گوشوں کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور پھر ان ہی گوشوں میں جو کچھ کر سکتے تھے، وہ کیا۔ کسی نے اخلاق اور روحانیت کو اپنا مرکز بنایا، کسی نے تہذیب و تمدن کو سنواز نے کی کوشش کی، کسی نے حکومت اور سیاست کو اپنا میدان بنایا، لیکن ایسے مصلحین جنہوں نے انسان کی پوری زندگی کو سنوارنے کا فیصلہ کیا حضرات انبیاءؐ کرام علیہم السلام ہی ہیں۔

اس کائنات کے پیدا کرنے والے کا انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انبیاءؐ کرام علیہم السلام میں جو نبی سب سے آخر میں تشریف لائے ان کی دعوت اور ان کی زندگی کے حالات آج تک اس طرح محفوظ ہیں کہ اس کی کوئی دوسری مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے حالات اس طرح قلمبند ہوئے کہ ایک طرف تو

صحت کا ایسا انتظام ہوا جو آج تک کسی تاریخی ریکارڈ کو میرہی نہ ہو سکا اور دوسرا طرف وسعت اور تفصیل کا یہ حال کہ آپ کی باتیں، کام، زندگی گزارنے کا ذہنگ، شکل و صورت، آئھنا بیٹھنا، بول چال، رہن کہن، معاملات، انتہا یہ کہ کھانے پینے، سونے جانے اور ہنسنے بولنے تک کی ایک ایک ادا حفظ رہ گئی۔ غرض یہ کہ آج جو تفصیلات ہم اپنے زمانے سے چند سو برس پہلے گزرے ہوئے ہوئے لوگوں کے بارے میں نہیں جانتے وہ تقریباً ذہنی ہر ار برس گزرنے کے بعد بھی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جان سکتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے پہلے ایک اور خصوصیت پر نظر رکھنا چاہیے۔ ہر کام کی اہمیت کا اندازہ ان حالات سے ہوتا ہے جن میں وہ کام انجام دیا گیا ہو سازگار اور موافق حالات میں جو تحریکیں دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہیں وہی ناسازگار حالات میں بالکل مُر جھا کر رہ جاتی ہیں۔ عام طور پر تحریکوں کا حال یہ ہے کہ پہلے لوگوں میں اس کی قبولیت کے لیے مواد پکتا رہتا ہے اور پھر جب یکبارگی کسی طرف سے کوئی تحریک اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو لوگوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہو جاتی ہیں اور تحریک چل نکلتی ہے۔ مثلاً کسی آزادی وطن کی تحریک کو لے لجھنے۔ لوگ عام طور پر کسی بیرونی حکمران، طاقت کے ظلم اور زیادتوں سے نالاں ہوتے ہیں اور دلوں میں اس کے خلاف ایک جذبہ پیدا ہوتا رہتا ہے پھر جب کوئی باہم تھنھی اٹھ کر وطن کی آزادی کا نعرہ بلند کر دیتا ہے تو چاہے خطرہ اور نقصانات کے اندیشوں کی وجہ سے تھوڑے ہی لوگ اس کا ساتھ دیں لیکن اکثریت کی دلی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہی حال معاشی تحریکوں کا ہے۔ لوگ اپنی مجبوریوں اور معاشی لوٹ کھوٹ کرنے والوں کی زیادتوں کی وجہ سے خود عاجز ہو جاتے ہیں اور ایسے موقع پر اگر کوئی تحریک معاشی اصلاح، انقلاب کی اٹھتی ہے تو پھر یہ سب لوگ اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ذرا تصور کیجئے ایک ایسی تحریک کا جو بالکل مختلف حالات میں اٹھے۔ مثلاً کسی بت پرست قوم میں کوئی شخص یہ نعرہ بلند کرے کہ بت پرستی ایک بالکل لغو اور فضول حرکت ہے جب کہ ملک کے سارے ہی باشندے بت پرستی کے دلدادہ ہوں تو تصور کیجئے ان مصائب اور مشکلات کا جو ایسے حالات میں ایسی بات پیش کرنے

واليہ کو پیش آ سکتے ہیں۔

تحریک اسلامی کے دائیٰ ﷺ کی اصلی اہمیت اور آپؐ کے کام کی واقعی عظمت کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا جب تک آپؐ کے سامنے یہ بات نہ ہو کہ آپؐ نے جو کچھ پیش کیا وہ کیسے مختلف حالات میں پیش کیا۔ اس لیے آپؐ کے واقعات زندگی کے مطالعہ سے پہلے یہ بھی دیکھ لجھتے کہ جب اسلامی کے دائیٰ ﷺ نے اسلام پیش کیا اس وقت ملک عرب اور ساری دنیا کے حالات کیا تھے؟

اسلام کی دعوت کے وقت دنیا کے حالات

اسلام نے جو کچھ پیش کیا اس کی اہم بنیاد توحید ہے۔ لیکن بھی وہ روشنی ہے جس سے اس وقت نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا محروم تھی۔ توحید کے صحیح تصور سے انسانی ذہن خالی تھے۔ یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی اسلام کے بے شمار دائیٰ آپؐ کے تھے اور زمین کا ہر ہر آباد علاقہ توحید خالص کے پیام سے سرفراز ہو چکا تھا۔ لیکن انسانیت کی بد نصیبی کہ اس نے اس سبق کو بھلا دیا تھا اور اپنی خواہشات کی پیروی میں چاند، سورج، ستاروں، جنوں، فرشتوں، دیوی، دیوتاؤں، پہاڑوں، دریاؤں، جانوروں، انسانوں اور نہ جانے کرنے کوں کو الہیت میں شریک کر لیا تھا اور پھر، انسان ایک کی بندگی میں سکون پانے کے بجائے بے شمار مجبودوں کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔

اس وقت سیاسی اعتبار سے دو اہم طاقتیں موجود تھیں، فارس اور روم، فارس کا مذہب محبوبیت تھا جو عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ روم کا مذہب عیسائیت تھا جو یورپ ایشیا اور افریقہ کو گھیرے ہوئے تھا۔ ان بڑی طاقتیوں کے علاوہ مذہبی اعتبار سے یہودی اور ہندو بھی اہمیت رکھتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ صداقت کا دعویٰ تھا۔

ایران میں ستاروں کی پوجا عام تھی۔ اس کے علاوہ بادشاہ اور امراء بھی درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے جن کو بجدے کیے جاتے تھے اور جن کی خدائی کے گیت گائے جاتے تھے۔ غرض یہ کہ پورا ملک توحید کے تصور سے خالی تھا۔

روم کی حکومت

یوتاں کے زوال کے بعد روم کی حکومت دنیا کی سب سے بڑی حکومت سمجھتی جاتی تھی۔ لیکن چھٹی صدی عیسوی کے خاتمه پر یہی حکومت اپنی بستی کے آخری نقطہ تک پہنچ چکی تھی۔ حکومت کی بد نظری، دشمن کا خوف، ملک کے اندر بدانش، اخلاق کی انتہائی گراوٹ۔ عیش پرستی کی انتہا غرض یہ تھی کہ کوئی برائی ایسی نہ تھی جو اہل روم میں پیدا نہ ہو گئی ہو۔ مذہبی اعتبار سے کچھ لوگ تو ستاروں اور دیوتاؤں کے بتوں کی پرستش میں معروف تھے لیکن جن لوگوں نے عیسائی مذہب قبول بھی کر لیا تھا وہ بھی توحید کے تصور سے خالی ہو گئے تھے۔ وہ باپ، بیٹا، روح القدس اور مریم کی خدائی کے معتقد تھے۔ مسیحیوں مذہبی فرقے بن گئے تھے اور یہ سب آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ قبر پرستی عام تھی، پادریوں کو سجدے کیے جاتے تھے۔ پاپاؤں نے اور ان کے بعد درجہ مذہبی عہدے داروں نے اپنی اپنی جگہ شہنشاہانہ بلکہ خدائی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ حرام و حلال کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے رکھتے تھے۔ حرام و حلال کے اختیارات ان کو حاصل تھے اور ان کا قول خدا کا قول سمجھا جاتا تھا۔ دین داری کا اونچا تصور ہبائیت اور دنیا کو چھوڑ دینا تھا۔ ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم رکھنا سب سے بڑی عبادت سمجھا جاتا تھا۔

ہندوستان:

ہندوستان میں اس وقت وہ ذور تھا جس کو مذہبی ادوار میں پورا نک ڈور کہا جاتا ہے۔ یہ ذور ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک ڈور مانا جاتا ہے۔ اس وقت برہمیت پھر سے غالب آ رہی تھی اور بودھوں کا تقریباً قلع قع ہو چکا تھا۔ اس ذور کی خصوصیات یہ ہیں کہ شرک حد سے بڑھ چکا تھا۔ دیوتاؤں کی تعداد بڑھتے بڑھتے ۳۳ کروڑ تک پہنچ چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ویدوں کے زمانے میں بت پرستی کا روانج نہ تھا۔ لیکن اس وقت مندوں میں بتوں کی پوجا عام تھی۔ مندوں کے پچاری بداخلاتی کا نمونہ تھا اور کم سمجھ عوام کو

لوشاں کا کام تھا۔ اسی زمانے میں ذات پات کی تفریق بھی انہا پر تھی حالانکہ ابتدائی زمانے میں اس قسم کی تفریق موجود نہ تھی۔ اس تفریق نے معاشرے کے سارے نظام کو بر باد کر دیا تھا۔ ایسے قوانین بنالیے گئے تھے جن میں انصاف کا خون ہوتا تھا اور خاندان کے اعتبار سے لوگوں کو غلط رعائیں دی جاتی تھیں۔

شراب پینے کا عام روایج تھا۔ خدا کی تلاش میں ہنوں اور پہاڑوں میں عمریں گزارنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اوہاں اور فاسد خیالات اپنی انہا پر تھے۔ بھوت پریت اور سینکڑوں قسم کے شنگوفوں نے انسانی زندگی کو جکڑ رکھا تھا۔ ہر عجیب چیز خدا تھی۔ ہر ایک کے سامنے سر جھکا دینا ہی گویا نہ ہب بن گیا تھا۔ دیوی، دیوتاؤں اور بتوں کی گنتی اندازہ اور قیاس سے باہر تھی۔ پچاری عورتوں اور دیو و اسیوں کی اخلاقی حیثیت انہائی شرمناک ہو چکی تھی اور ستم یہ تھا کہ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر کیا جاتا تھا۔ عورتیں جوئے میں ہاری جاتی تھیں۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔ یہ وہ عورت عمر بھر کے لیے قانونی طور پر ہر لذت سے محروم کر دی جاتی تھی۔ سماج کے ایسے ہی شرمناک برتاو کی وجہ سے ایک عورت شوہر کی لاش کے ساتھ زندہ جل کر مر جانا گوارا کر لیتی تھی۔ لڑائی میں ہار جانے کے ڈر سے عورتوں کو خود ان کے باپ بھائی اور شوہرا پنے ہاتھوں سے قتل کر دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ ننگے مردوں اور ننگی عورتوں کی پوچا ہوتی تھی۔ مذہبی تہواروں میں شراب پی پی کر بد مست ہو جاتے تھے اور یہ سب دھنے سے نیکی کا کام سمجھے جاتے تھے غرض یہ کہ اخلاق، مذہب اور معاشرت کے اعتبار سے اللہ کی یہ زمین بری طرح شیطان کے جال میں جکڑی ہوئی تھی۔

یہود:

خدا کے دین کے حامل ہونے کے اعتبار سے اصلاح کی کوئی توقع اگر کی جاسکتی تھی تو وہ یہود سے کی جاسکتی تھی۔ لیکن ان کی حالت بھی انہائی پست ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنی لمبی تاریخ میں ایسے جرائم کیے تھے جن کی وجہ سے اب ان کا یہ مقام ہی نہ رہ گیا تھا کہ وہ کوئی اصلاحی کام کر سکیں۔ انہا یہ کہ جب کبھی ان کے اندر اللہ کا کوئی نبی آتا تو وہ اس کی باتوں کو برداشت تک نہ کر سکتے تھے اور نہ جانے جانے انہوں نے کتنے نبیوں کو قتل کیا۔ یہ اس گمان میں جتنا

ہو گے تھے کہ ان کا خدا سے کوئی خاص تعلق ہے اور اس کی بنیاد پر وہ انہیں عذاب ہی نہ دے گا۔ ان کا خیال تھا کہ جنت کی نعمتیں اصل میں ان کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔ نبوت اور رسالت کو وہ اپنی قومی میراث کہتے تھے۔ ان کے عالم انتہائی دُنیادار اور زمانہ ساز تھے۔ وہ دولت مندوں اور حاکموں کی خوشنودی کے لیے آئے دن مذہبی احکام میں کاٹ چھانٹ کرتے رہتے تھے۔ اللہ کے احکام میں جو حکم آسان اور اپنی خواہش کے مطابق ہوتا اس پر عمل کر لیتے اور جو احکام سخت اور ناپسند ہوتے ان کو چھوڑ دیتے آپس میں لڑنا مرنا ان کا عام مشغل ہو گیا تھا۔ مال و دولت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس کی وجہ سے وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ تک نہ کر سکتے تھے جس میں جان و مال کا کوئی اندیشه ہو۔ اسی وجہ سے ان کی اخلاقی حالت انتہائی کمزور ہو گئی تھی۔ ان میں مشرکانہ بت پرستی کے اثرات بھی پیدا ہو گئے تھے۔ ثونے، ٹوٹکے، اوہام، خرافات، گندے، تعویذ، جادو و عملیات وغیرہ وغیرہ قسم کی سینکڑوں چیزوں نے ان کے اندر گھس کر توحید کے اصل تصور کو بالکل برپا کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ جب اللہ کے آخری نبی ﷺ نے توحید کا واضح تصور پیش کیا تو ان ہی یہودیوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان مسلمانوں سے تو عرب کے مشرک بہتر ہیں۔

عرب کی حالت:

دُنیا کے مذہبی اور سیاسی حالات پر نظر ڈالنے کے بعد آئیے خود عرب کی حالت پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ کے نبی نے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور جہاں کے حالات سے انہیں سب سے پہلے دو چار ہونا پڑا۔

عرب کے ایک بڑے حصے یعنی وادی قریٰ اور خیر و فدک میں زیادہ تر یہودی آباد تھے، خود میں میں بھی یہودیوں کی حکومت تھی باقی ملک میں مشرکانہ رسوم جاری تھیں۔ لوگ بتوں، پتھروں، پیڑوں، ستاروں، فرشتوں اور جنوں کی پوجا کرتے تھے۔ البتہ ایک اللہ کا تصور ضرور موجود تھا مگر صرف اس حد تک کہ اسے یہ لوگ خداوں کا خدا یا سب سے بڑا خدامانتے تھے۔ لیکن یہ اعتقاد اتنا کمزور پڑ گیا تھا کہ عملاً وہ خود ساختہ چھوٹے چھوٹے خداوں اور معبدوں میں الجھے رہتے تھے جن کو انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنا آستانہ پرستش بنایا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ روزمرہ کی زندگی میں اصل کام تو ان چھوٹے خداوں سے پڑتا ہے لہذا یہ
ان کی عبادت کرتے تھے ان ہی کے ناموں پر نذریں اور قربانیاں کرتے تھے، اور ان سے
ہی اپنی مرادیں مانگتے تھے۔ اللہ کے بارے میں ان کا یہ اعتقاد تھا کہ چھوٹے خداوں کو خوش
کر لینے سے اللہ بھی خوش ہو جاتا ہے۔

یہ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، جنوں کو خدا کا عزیز قریب اور خدائی میں
شریک سمجھتے تھے اور اسی نسبت سے ان کی پستش کرتے تھے اور ان سے دماغتے تھے۔ جن
ہستیوں کو یہ خدائی میں شریک مانتے تھے، ان کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ بت
پرستی کا شوق اتنا عام ہو گیا تھا کہ جہاں خوبصورت سا پھر پڑا مل گیا، اسی کو پوجنے لگے اور کچھ
نہ ملا تو مٹی کا ایک گوندا بنایا، اس پر بکری کا دودھ چھڑ کا اور اسی کا طواف کرنا شروع کر دیا۔
غرض یہ کہ عربوں کے بے شمار بت تھے۔ ان بتوں کے علاوہ عرب ستاروں کو بھی پوجتے
تھے۔ مختلف قبیلے، مختلف ستاروں کو پوجتے تھے۔ ان میں سورج اور چاند کو زیادہ اہمیت تھی۔
جنوں اور بحوث پریت کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ ان کے بارے میں عجیب عجیب باقی مشہور
تھیں۔ اس کے علاوہ اس قسم کے توهہات جو مشرک قوموں میں عام ہوتے ہیں وہ بھی سب
ان میں پائے جاتے تھے۔

اس مذہبی بگاڑ کے ساتھ آپس کی لڑائی ان کے یہاں عام بات تھی۔ معمولی معمولی
باتوں پر جنگ ٹھن جاتی اور پھر اس کا سلسلہ پشتوں تک چلتا رہتا۔ جواہیلنا اور شراب پینا اتنا
عام تھا کہ شاید ہی کوئی قوم اس معاملے میں ان کا مقابلہ کر سکتی۔ شراب کی تعریف اور اس کے
تعلق سے ہونے والی بدکاریوں کے ذکر سے ان کی شاعری بھری پڑی تھی۔ اس کے علاوہ
سودخوری، لوث مار، چوری، بے رحمی، کشت و خون، زنا اور دوسرا گندے کاموں نے ان کو
گویا انسانی شکل میں درنہ بنا دیا تھا۔ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ بے شرمی
اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ مرد اور عورتیں ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اسے
ایک مذہبی کام سمجھتے تھے۔ غرض یہ کہ مذہب، اخلاق، معاشرت اور سیاست ہر اعتبار سے
عرب انتہائی پستی میں گر چکے تھے۔

تحریک اسلامی کے لیے عرب کی خصوصیات:

نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا جس اندر ہرے میں بھلک رہی تھی اس کے لیے ایک ایسی صبح کی ضرورت تھی جو ساری اندر ہر یوں کوڈور کر دے اور اللہ کے بھلکے ہوئے بندوں کو اللہ کی راہ دکھادے۔ اس صبح کے طلوع ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میں عرب کے ملک کوئی کیوں پسند فرمایا اس بارے میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لیے اور ہنماں کا آخری پیام دے کر جیجنے کے لیے منتخب فرمایا تھا اور آپ کی دعوت کو ساری دنیا میں پھیلانا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی ایک فرد کی زندگی اس عظیم کام کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ اللہ کے نبی اپنی موجودگی میں مصلحین کا ایک ایسا گروہ تیار کر جائیں جو آپ کے بعد بھی آپ کے کام کو جاری رکھے۔ اس اہم کام کے لیے جس قسم کی خصوصیات کی ضرورت تھی وہ عرب کے باشندوں میں زیادہ اونچے پیانہ پر اور عمومیت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔ نیز ملک عرب کا جغرافیائی مقام بھی کچھ ایسا ہے کہ وہ آباد دنیا کے تقریباً مرکز میں واقع ہے اور اس طرح اس پیام کو چاروں طرف پھیلانے میں بہت کچھ آسانیاں تھیں۔

اس کے علاوہ عربی زبان کی وسعت اور خصوصیات ایسی ہیں کہ جس مضمون کو پیش کرنا تھا اس کو جس قدر آسانی کے ساتھ عربی زبان میں ادا کیا جا سکتا تھا دنیا کی دوسری زبانوں کے دامن اس کے لیے بہت بُنگ تھے۔

عربوں کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ملکوم نہیں تھے۔ غالباً کی وجہ سے ذہنوں میں جو پستی آ جاتی ہے اور اعلیٰ انسانی صفات میں جو گراوٹ پیدا ہو جاتی ہے اس سے یہ لوگ محفوظ تھے۔ ان کے چاروں طرف ایران اور روم کی بڑی بڑی حکومتیں تھیں۔ لیکن ان میں سے کوئی عربوں کو اپنا غلام نہ بنائی تھی۔ وہ حد سے زیادہ بہادر اور شجاع تھے، خطروں کو کبھی دھیان میں نہ لاتے تھے، لڑائی کو کھیل سمجھتے تھے، پر جوش تھے، ارادے کے پختہ تھے، دل کے صاف تھے، جوبات دل میں ہوتی وہی زبان پر ہوتی، چھل کپٹ اور لگاؤ کی بیماریاں جو عام طور پر غلام اور بزرد قوموں میں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے وہ یا ک تھے، عام سمجھا اور عقل کے اعتبار سے

اوپنچا درج رکھتے تھے، وہی طور پر بلند تھے، باریک باتوں کو سمجھنے کی اہمیت رکھتے تھے، حافظہ بہت تیز تھا۔ اتنا تیز کہ اس بارے میں یہ لوگ دنیا میں اپنی ہم عصر قوموں میں میکتا تھے۔ فیاض تھے۔ خود دار اور غیرت مند تھے، ذلیل ہونا برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ریگستان کی سخت زندگی کے باعث عملی قسم کے لوگ تھے، کسی بات کو قبول کر لینے کے بعد ان کے لیے یہ بہت دشوار تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے اس کی داد دیا کریں۔ بلکہ اس کے برخلاف وہ اس بات کو لے کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور دیکھتے دیکھتے اپنی پوری زندگی کو اپنے پسندیدہ کام میں لگادیتے تھے۔

عربوں کی اصلاح میں مشکلات:

ایک طرف تو عرب کی سرز میں عرب کی زبان اور عرب کے باشندوں کی یہ خصوصیات تھیں جن کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیام کو اس ملک اور ان لوگوں پر بھیجنے ملے فرمایا۔ لیکن دوسری طرف وہ مشکلات بھیں کچھ کم نہ تھیں جو اس قوم کی اصلاح کے لیے حضرت ﷺ کو برداشت کرنا پڑیں۔ ابتداء ہی میں لکھا جا چکا ہے کہ ہر ہم کی عظمت کو جاننے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کن حالات میں سرانجام دیا گیا چنانچہ اسلامی تحریک جس زمانے میں اٹھی اور کامیاب ہوئی اس اعتبار سے وہ دنیا کی تاریخ کا ایک عظیم کارنامہ ہے اور اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ نے جس قوم کو دنیا کی امامت کے لیے تیار کیا اور اس سلسلہ میں گوناگون مشکلات کو جس طرح سر کیا وہ بھی ایک مبزرے سے کم نہیں۔

جب تک عرب قوم کی یہ خصوصیات سامنے نہ ہوں کوئی شخص اس عظیم اصلاحی کام کا اندازہ نہیں کر سکتا جو اللہ کے آخری نبی ﷺ کے ہاتھوں انجام پایا۔ اس قوم کی اصلاح میں چند درجند مشکلات حائل تھیں۔ ان میں سے بڑی بڑی اور قابل ذکر یہ ہیں۔

عرب قوم بالکل ان پڑھتی۔ خدا کی ذات و صفات کا صحیح تصور، رسائل کی نوعیت اور اہمیت، وحی کا مفہوم، آخرت کا تصور، عبادت کا صحیح مطلب، غرض یہ کہ ان میں سے کوئی چیز الیک نہ تھی جس سے وہ پہلے سے واقف ہوں پھر یہ لوگ اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کے ایسے اندھے پیر و تھے کہ ان سے انجوں بھر ہٹانا ان کو خفت ناگوار تھا اور ادھر اسلام جو کچھ پیش کرتا تھا وہ ان کے اس آبائی مذہب کے بالکل خلاف تھا۔ شرک سے پیدا ہونے والی تمام وہی

بیماریاں ان میں موجود تھیں۔ تو ہم پرستی نے ان کی عقل کو بے کار کر رکھا تھا۔ آپس کی لڑائیاں گویا کہ قومی خصوصیت بن گئی تھیں اور ان کی وجہ سے ان کے لیے کسی مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا آسان نہ تھا۔ وہ جو کچھ سوچتے لڑائی اور خانہ جنگل کے انداز پر سوچتے تھے۔ عام طور پر لوٹ مار ذریعہ معاش تھا۔ اس طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب آخرت میں ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے تو ان کے سامنے ایک ایسی بات آتی تھی جس کو اس سے پہلے نہ انہوں نے ساختھا اور نہ سمجھا تھا اور جو باپ دادا کے چلن اور ان خیالات کے بالکل خلاف تھی جن کو وہ اب تک سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اس دعوت کا مطالبہ تھا کہ لڑائیاں بند کرو، امن کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرو، لوٹ مار کر ناغلط ہے۔ فاسد خیالات، بری عادات اور سب سے زیادہ یہ کہ حرام ذریعہ معاش فوراً چھوڑ دو۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی پکار پر ساتھ دینے کے لیے ان لوگوں کو تیار کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔

غرض یہ کہ پوری دنیا کے حالات، عرب کے حالات اور جس قوم سے واسطہ تھا اس کی عادات و خصوصیات کوئی چیز بھی ایسی نظر نہیں آتی جو بظاہر اس دعوت کے لیے سازگار کہی جاسکتی ہو۔ لیکن جب نتائج سامنے آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ:

وہ بھلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے ۔

اور یہی وہ مبجزہ ہے جس کے سامنے آتے ہی ہر انسان کا دل چاہتا ہے کہ وہ اس ذات گرامی کے حالات تفصیل سے جانے اور آپ کی پیش کی ہوئی دعوت کو قریب سے سمجھے۔ آئندہ ابواب میں یہی چیز آپ کے سامنے آئے گی۔

تہذیب
و سیر

پیدائش اور بیویں

خاندان

پیدائش

برادری اور بیویں



خاندان

حضرت محمد ﷺ کے والد بزرگوار کا نام عبد اللہ تھا جو عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ آپ کا سلسلہ نب تقریباً سائنس پشتوں کے واسطے سے حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام سے جا کر مل جاتا ہے۔ آپ کے خاندان کا نام قریش ہے جو عرب کے تمام خاندانوں میں پشت ہاپشت سے معزز اور ممتاز مانا جاتا تھا۔ عربوں کی تاریخ میں اس خاندان کے کتنے ہی لوگ بہت عزت والے اور بڑے مانے گئے ہیں۔ مثلاً نظر، فہر، قصیٰ بن کلاب۔ قصیٰ اپنے زمانے میں حرم کعبہ کے متولی بنائے گئے اور اس طرح ان کی عظمت اور بھی بڑھ گئی۔ قصیٰ نے بہت بڑے بڑے کام کیے، مثلاً حاجیوں کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کا انتظام وغیرہ یہ کام ان کے بعد ان کے خاندان والے کرتے رہے ان رفاهی کاموں کے کرنے اور حرم کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش کو تمام عرب میں بڑی عزت اور اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ عام طور پر عرب میں لوث مار کاررواج تھا اور راستے محفوظ نہ تھے۔ لیکن حرم کعبہ سے نسبت اور حاجیوں کی خدمت کی بنا پر قریش کے قافلوں کو کوئی نہیں لوٹا تھا اور وہ اُس کے ساتھ اپنا مال تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔

عبد المطلب کے دس یا بارہ بیٹے تھے لیکن کفریا اسلام کی خصوصیت کی وجہ سے ان میں سے پانچ بہت مشہور ہیں۔ ایک جناب عبد اللہ جو آنحضرت ﷺ کے والد بزرگوار تھے۔ دوسرے ابو طالب جو اگرچہ اسلام نہیں لائے۔ لیکن انہوں نے ایک عرصہ تک آپ کی سر پرستی کی۔ تیرے حضرت حمزہ اور چوتھے حضرت عباس رضی اللہ عنہما۔ آپ کے یہ دونوں پچھا مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسلامی تاریخ میں بڑا اونچا مقام حاصل کیا اور پانچوں ابوالہب جن کی شخصیت تاریخ اسلام میں اسلام دشمنی میں بہت نمایاں ہے۔

عبد اللہ کی شادی قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی لڑکی سے ہوئی۔ جن کا نام

آمنہ تھا۔ قریش کے خاندان میں آپ بڑی ممتاز بی بی تھیں۔ شادی کے وقت عبد اللہ کی عمر تقریباً سترہ سال تھی۔ شادی کے بعد خاندانی دستور کے موافق آپ تین دن تک اپنی سرال میں رہے۔ اس کے بعد تجارت کے سلسلے سے شام چلے گئے۔ واپسی پر مدینہ میں بیمار ہو گئے اور تھیں انتقام فرمائے گئے۔ اس وقت حضرت آمنہ حاملہ تھیں۔

پیدائش:

۹ ربیع الاول دوشنبہ کا دن مطابق ۱۲۰ھ کی وہ مبارک صبح تھی۔ جب رحمت الہی کے فیصلے کے مطابق اس با سعادت ہستی کی پیدائش ہوئی جس کے وجود سے سارے عالم کی اندر ہیار یوں کوڈور ہونا تھا اور انسانیت کو وہ نورِ ہدایت ملنا تھا۔ جو قیامت تک اس زمین پر بننے والے سارے انسانوں کے حق میں مالک کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ والد کا تو انتقام ہی ہو چکا تھا۔ داد عبد المطلب نے آپ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا۔

پرورش اور بچپن:

سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے دودھ پلایا اس کے بعد ابو لہب کی لوٹیٰ تو یہ نے بھی دودھ پلایا۔ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ شہر کے بڑے لوگ اپنے بچوں کو دودھ پلوانے اور بڑھنے پلنے کے لیے دیہات اور قصبات میں بھیج دیتے تھے، تاکہ وہاں کی کھلی ہوا میں رہ کر ان کی صحت اچھی ہو جائے اور وہ بہت فصح عربی زبان بھی سیکھ جائیں۔ عرب میں شہروں کی بہت دیہات اور قصبات کی زبان بہت زیادہ فصح اور اچھی مانی جاتی تھی۔ اس دستور کے موافق دیہات کی عورتیں شہر میں آیا کرتی تھیں اور بچوں کو پرورش کے لیے اپنے ساتھ لے جاتی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے کچھ روز بعد ہی قبیلہ ہوازن کی کچھ عورتیں بچوں کی تلاش میں کئے آئیں۔ ان میں حیمه سعدیہ بھی تھیں۔ یہی وہ خوش نصیر بخت اتوں ہیں۔ جن کو جب کوئی دوسرا بچہ نہ ملا تو انہوں نے مجبوراً آمنہ کے میتم بچے کو ہی لے لینا منظور کر لیا۔

دو برس کے بعد حضرت آمنہ کو واپس لائیں۔ لیکن اس زمانے میں کئے میں کوئی بیماری پھیلی ہوئی تھی چنانچہ آپ کی والدہ نے آپ کو بھر دیہات بھیج دیا۔ جہاں آپ تقریباً

چھ سال کی عمر تک رہے۔

جب آنحضرت ﷺ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لیکر مدینہ گئیں۔ غالباً آپ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی ہوں، یا وہاں کوئی رشتہ داری کا تعلق ایسا ہو جس کی وجہ سے آپ نے یہ سفر اختیار فرمایا ہوا آپ نے وہاں تقریباً ایک مہینے تک قیام کیا۔ والپی میں ایک مقام ابواء پر آپ کا انتقام ہو گیا اور یہیں آپ کو قفن کیا گیا۔

والدہ کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش اور ساری دیکھ بھال عبدالمطلب کے ذمے آگئی۔ یہ آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو دادا عبدالمطلب نے بھی انتقال فرمایا۔ مرتبے وقت ہوں نے آپ کی پرورش کی ذمہ داری اپنے لڑکے ابو طالب کے سپرد کی جنہوں نے اس فرض کو انتہائی خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ابو طالب اور آنحضرت کے والد عبد اللہ ایک ہی ماں سے تھے۔ اس اعتبار سے بھی ابو طالب کو آپ سے انتہائی محبت تھی۔ وہ آپ کے مقابلے میں اپنے بچوں کی بھی پرانیں کرتے تھے۔ سوتے تو آپ کو ساتھ لے کر سوتے باہر جاتے تو ساتھ لے جاتے۔ آپ کی عمر دس بارہ سال کی ہو گی اس وقت آپ نے اپنے ہم عمروں کے ساتھ بکریاں بھی چڑائیں۔ عرب میں یہ کام برائیں سمجھا جاتا تھا۔ اچھے اچھے شریف گھرانوں کے پچے بکریاں چڑایا کرتے تھے۔

ابو طالب تجارت کرتے تھے۔ قریش کے دستور کے موافق سال میں ایک بار شام جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی عمر کوئی بارہ سال ہو گی کہ ابو طالب نے شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ اگرچہ سفر کی تکالیف کے خیال سے وہ آپ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ مگر انہیں آپ سے اتنی محبت تھی کہ جب سفر پر جاتے وقت آپ ان سے لپٹ گئے اور ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو وہ آپ کی دل شکنی کو برداشت نہ کر سکے اور ساتھ لے لیا۔

تیرا باب

نبوت سے پہلے

فخار کی لڑائی	☆
حلف الفضول	☆
کعبے کی تعمیر	☆
تجارت	☆
نکاح	☆
غیر معمولی واقعات	☆

فخار کی لڑائی

اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ ان عی لڑائیوں میں سے ایک نہایت خطرناک اور مشہور لڑائی فخار کی لڑائی ہے۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان ہوتی چونکہ قریش اس لڑائی میں برس رحم تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے بھی قریش کی طرف سے اس لڑائی میں شرکت کی لیکن آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس لڑائی میں پہلے قیس پھر قریش غالب آئے اور آخر کار صلح پر لڑائی کا خاتمه ہو گیا۔

حلف الفضول:

آئے دن کی لڑائیوں سے سینکڑوں گھرانے بر باد ہو گئے۔ لوگوں کے لیے نہ دن کو چین تھا اور نہ رات کو آرام۔ فخار کی لڑائی کے بعد اس صورتِ حال سے ٹک آ کر کچھ خیر پسندوں نے اصلاح کی ایک تحریک شروع کی، آنحضرت ﷺ کے ایک چھا زیر ابن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ اب حالات کو سدھارنے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ خاندان قریش کے بڑے بڑے لوگ جمع ہوئے اور یہ معاهدہ ہوا کہ ہم:

- (۱) ملک سے بے امنی ڈور کریں گے۔
- (۲) مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔
- (۳) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔
- (۴) مظلوم کی حمایت کریں گے
- (۵) کسی ظالم کو کے میں نہ رہنے دیں گے۔

آنحضرت ﷺ بھی اس معاهدہ میں شرکت تھے اور آپ کی یہ شرکت بڑی عزیز تھی۔ چنانچہ زمانہ نبوت میں آپ نے فرمایا۔ ”اس معاهدے کے بدالے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ لیتا اور آج بھی ایسے معاهدے کے لیے کوئی مجھے بلائے تو میں حاضر ہوں۔“

کعبے کی عمارت صرف چار دیواری تھی اور پرچھت نہ تھی۔ دیواریں بھی بس اتنی اوپر تھیں جتنا آدمی کا قد۔ پھر عمارت شیب میں بھی تھی، بارش کے زمانے میں شہر کا پانی بہہ بہہ کر ادھر آتا تھا جسے روکنے کے لیے بند بنادیا گیا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا اور اس جگہ پانی بھر جاتا تھا اس طرح عمارت کو نقصان پہنچتا تھا۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ عمارت کو ڈھا کر پھر سے ایک مضبوط عمارت بنائی جائے۔ تمام قریش نے مل کر تعمیر کا کام شروع کیا۔ مختلف قبیلوں نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں بانٹ لیے تاکہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے۔ لیکن جب جبراً سود^(۱) کے نصب کرنے کا موقع آیا تو بڑا جھکڑا کھڑا ہوا۔ ہر قبیلے والے چاہتے تھے کہ یہ خدمت ہم ہی انجام دیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ تکواریں نکل آئیں۔ چار دن تک یہ جھکڑا ہوتا رہا۔ پانچویں دن قریش کے ایک بڑے بوڑھے نے یہ رائے دی کہ اچھا کل سویرے جو شخص ب سے پہلے آئے اسی کو پنج مقرر کر لیا جائے اور وہ جس طرح کہے اسی طرح کیا جائے۔ سب نے یہ بات مان لی دوسرے دن اللہ کی قدرت کہ سب سے پہلے جس شخص پر لوگوں کی نظر پڑی وہ رحمتِ عالم حضرت محمد ﷺ ہی تھے۔ چنانچہ آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جس جس خاندان کے لوگ جبراً سود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کے مدعی ہیں۔ ان کا ایک ایک سردار چن لیا جائے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ایک چادر بچھا کر پھر کو اس پر رکھا اور دوسروں سے کہا کہ چادر کے کونے تھام لیں اور پھر کو انھا میں۔ جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے جبراً سود کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک لڑائی مل گئی۔ جس کے نتیجے میں معلوم نہیں کتنا خون خرا بہ ہوتا۔

اب جو کعبے کی عمارت بنائی گئی اس پر پرچھت بھی؛ ای گئی لیکن چونکہ تعمیر کا سامان کافی نہ تھا اس لیے ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر نئی بنیادیں قائم کی گئیں۔ یہی وہ حصہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہیں۔

(۱) ایک سیاہ جبر ک پھر جو کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔

تجارت:

عربوں اور خصوصاً قریش کا پرانا مشغله تجارت تھا آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب بھی تاجر تھے۔ اسی لیے جب آپ جوان ہوئے تو آپ نے تجارت، ہی کو بطور ذریعہ معاش اختیار فرمایا، اپنے چچا کے ساتھ بھیں میں جو سفر تجارت آپ نے فرمایا تھا اس سے کافی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ پھر جب آپ نے کاروبار میں ہاتھ دالا تو آپ کے اچھے معاملات کی شہرت چاروں طرف پھیلنے لگی۔ لوگوں نے آپ کو معاملے کا گھر اور انتہائی دیانت دار پایا اس لیے لوگ اپنا سرمایہ آپ کو شرکت کی غرض سے دینے لگے۔ وعدے کا پاس، معاملے کی صفائی، انتہائی راست بازی اور دیانت ان تمام چیزوں نے مل کر آپ کو لوگوں کی نظر وہ میں انتہائی معزز بنادیا اور عام طور پر لوگ آپ کو صادق (سچا) اور امین (دیانت دار) کے لقب سے یاد کرنے لگے، تجارت کی غرض سے آپ نے شام، بصری اور یمن کے کئی سفر کیے۔

نکاح:

حضرت خدیجہؓ ایک معزز اور مال دار خاتون تھیں۔ یہ آپ کے دور کے رشتہ کی جمیری بہن بھی ہوتی تھیں۔ پہلی شادی کے بعد یہ یہود ہو گئیں تو دوسرا نکاح کیا لیکن کچھ عرصے کے بعد دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا اور اب پھر یہ یہود تھیں یہ نہایت شریف اور پاکیزہ اخلاق کی بی بی تھیں، لوگ ان کی شرافت کی وجہ سے ان کو طاہرہ (پاک) کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ نہایت دولت مند بھی تھیں۔ یہ اپنا سامان تجارت لوگوں کو دے کر تجارت کا کاروبار کرایا کرتی تھیں۔

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال ہو چکی تھی۔ آپ کتنے ہی تجارتی سفر کر چکے تھے اور ان میں آپ کی سچائی، امانت اور پاکیزہ اخلاق لوگوں کے سامنے آچکے تھے۔ چنانچہ آپؓ کی شہرت سن کر حضرت خدیجہؓ یہ پیغام بھیجا کہ آپ میرا سامان تجارت لے کر شام جائیں، میں جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں وہ آپ کو دوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اور مال لے کر بصری تشریف لے گئے واپس آنے کے تقریباً تین مہینے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ سے شادی کا پیغام بھیجا آپ نے منظور فرمایا۔ اور

تاریخ مقرر ہو گئی تا رجوع مقرر رہ پر ابو طالب، حضرت حمزہ اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کے ساتھ آپ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلاقی درہم پر نکاح ہو گیا۔

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور پہلے دو شوہروں سے دو صاحزادے اور ایک صاحبزادی موجود تھیں۔

غیر معولی واقعات

دنیا میں جتنے ممتاز لوگ ہوئے ہیں ان کی زندگی میں شروع سے ہی ایسے آثار پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر ان کے روشن مستقبل کے بارے میں اندازہ ہونے لگتا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو آگے چل کر کسی خاندان، قوم یا ملک کی زندگی کے کسی گوشے میں کوئی اصلاحی کام کرتے ہیں لیکن جو مقدس، ستی قیامت تک سارے عالم کی رہنمائی کیلئے پیدا کی گئی ہوا اور جس کے دم سے انسانی کے ہر ہر گوشے کی اصلاح ہونے والی ہو، اس کی ابتدائی زندگی میں تو ایسے آثار جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر معمولی ہوں بکثرت ملتا جا ہیں، یوں تو اس قسم کے آثار کے تذکرے سیرت کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں لیکن جو واقعات تحقیق کی روشنی میں صحیح روایتوں میں ذکر ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”جب میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تو انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے“

بہت سی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں یہود و نصاریٰ خاص طور سے ایک آنے والے نبی کے منتظر تھے اور اس بارے میں مختلف پیش گویاں کیا کرتے تھے۔

آپؐ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ خانہ کعبہ میں کچھ تغیر ہو رہی تھی اور بڑوں کے ساتھ بچے بھی اپنیش اٹھا اٹھا کر لانے میں شریک تھے ان بچوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پیچا حضرت عباسؓ نے کہا کہ اپنا تہہ بند کھول کر کندھے پر رکھ لو تو اپنیوں کی رگڑ سے تکلیف نہ ہو گی۔ عرب کے ماحول میں یہ بات کچھ عجیب نہیں تھی، بچے تو کیا وہاں تو بڑے بھی ننگے ہونے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے لیکن جب آپؐ نے ایسا کیا تو برہنگی کے

احاس سے آپ فوراً بے ہوش ہو کر گر پزے اور آنکھیں پھٹ کر آسمان کو لگ گئیں جب ہوش آیا تو آپ کہہ رہے تھے ”میرا تھہ بند“ میرا تھہ بند، لوگوں نے جلدی سے تھہ بند کر کر سے باندھ دیا۔

ابوظاب نے اس کے بعد جب آپ سے کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک مرد نظر آیا جس نے مجھ سے کہا کہ ”ستر پوشی کر“ غالباً یہ غیب کی پہلی آواز تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی۔

عرب میں داستان گوئی کا عام روایج تھا لوگ راتوں کو کسی جگہ ہوتے اور کوئی داستان گورات بھر داستان ساتا رہتا، بچپن میں ایک باز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلے میں شریک ہونے کا ارادہ کیا لیکن اتفاق سے راستے میں شادی کا کوئی جلسہ تھا، آپ اسے دیکھنے کیلئے بھرپور ہے، وہیں نیندا آگئی، آنکھ کھلی تو سورا ہو چکا تھا۔ ایسا ہی واقعہ ایک مرتبہ اور بھی پیش آیا اور اس بار بھی آپ اتفاقی طور پر سو گئے۔ اس طرح آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس صحبت سے بچالیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں پیدا ہوئے مکہ بست پرستی کا سب سے بڑا اڈا بنا ہوا تھا خود خانہ کعبہ میں تین سو سانچھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی اور آپ کے خاندان والے یعنی قریش اس وقت خانہ کعبہ کے متولی باپچاری تھے۔

لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا اور نہ وہاں کی مشرکانہ رسموں میں کبھی کوئی حصہ لیا۔ اس کے علاوہ بھی قریش جن غلط رسموں کے عادی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان رسموں کے بارے میں اپنے خاندان کا ساتھ نہیں دیا۔

حَمْدَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ

رَحْمٰنِ الرَّحِيْمِ



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اب ایک اور انقلاب رونما ہونے لگا۔ آپ کی توجہ تہائی میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنے اور اپنے ماحول کی اخلاقی اور دینی پستی پر غور کرنے کی طرف بڑھنے لگی۔ آپ برابر سوچا کرتے تھے کہ میری قوم کے لوگوں نے کس طرح بتون کو اپنا معبود بنالیا ہے وہ اخلاقی اعتبار سے کس قدر گرچکے ہیں۔

اس کی یہ براہیاں کیسے دور ہوں؟ انہیں کیسے بتایا جائے کہ پچی خدا پرستی کی راہ کیا ہے؟ اس کائنات کے واقعی خالق اور مالک کی عبادت کس طرح ہونی چاہیے؟ اسی طرح کے سینکڑوں خیالات اور رسومات تھے جو برابر آپ کے ذہن میں گھوما کرتے تھے اور آپ ان پر گھنٹوں سوچا کرتے تھے۔

غار حرا

مکہ معظمه سے تمیں میل کے فاصلے پر ایک غار تھا جسے حرا کہتے ہیں۔ آپ اکثر وہاں جا کر قیام فرماتے اور غور و فکر اور عبادت الہی میں مصروف رہتے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے۔ جب ختم ہو جاتا تو پھر آکر لے جاتے یا حضرت خدیجہؓ پہنچادیتیں۔

پہلی وحی

ایک دن آپ غار حرامیں حسب معمول عبادت میں مصروف تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا کہ آپ کے سامنے اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ظاہر ہوا۔ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو فرشتوں میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں اور جو ہمیشہ سے خدا کا پیام اس کے رسولوں تک پہنچاتے رہے ہیں، حضرت جبریل نے نمودار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ”پڑھ“ آپ نے فرمایا ”میں پڑھا ہو انہیں ہوں، یہ سن کر حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر اتنا بھینچا کہ آپ تھک گئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور کہا ”پڑھ“ آپ نے پھر وہی جواب دیا اور انہوں نے پھر آنحضرت کو پکڑ کر بھینچا اور چھوڑ کر کہا ”پڑھ“ آپ نے پھر وہی جواب دیا اور انہوں نے پھر آنحضرت کو پکڑ کر بھینچا

اور چھوڑ کر کہا۔ ”اب حضرت جبریل نے تیس بار وہی کیا اور چھوڑ کر کہا:-

إِفْرَاءُ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلْقٍ ۝ إِفْرَاءُ وَرَبِّكَ
الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلِمَ بِالْقُلْمَنِ ۝ عَلِمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (اعلٰٰ: ۱۵)

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو جنم ہوئے خون سے پیدا کیا۔
پڑھ اور تیرا رب بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا
جو وہ جانتا تھا۔

یہی سب پہلی وجہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد گھر تشریف لائے
اس وقت آپ کے قلب مبارک پر ایک طرح کا لرزہ (۱) طاری تھا۔ آپ نے حضرت
خدیجہ سے فرمایا ”مجھے کمبل اڑھاؤ“، آپ کو کمبل اڑھادیا گیا۔ جب آپ کو کچھ سکون
ہوا تو آپ نے حضرت خدیجہ سے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا ”مجھے اپنی جان کا خطرہ
ہے“، حضرت خدیجہ نے کہا ”نبیس ہرگز نہیں۔ آپ کی جان کو خطرہ نہیں۔ خدا آپ کو
رسوانہ کرے گا آپ قربت داروں کا حق ادا کرتے ہیں۔ لوگوں کے بوجھ کو آپ خود
انھاتے ہیں۔ فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کی مہمان نوازی کرتے
ہیں، انصاف کی خاطر آپ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔“ اس کے بعد حضرت
خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئی۔ یہ ایک بوڑھے دین دار عیسائی
تھے۔ توریت پڑھتے تھے حضرت خدیجہ نے سارا واقعہ نہیں جا کر سنایا ورقہ سن
کر بولے۔ ”یہ وہی ناموس (چھپے بھیدوں کا جاننے والا فرشتہ) ہے جو موکی پر اتارا گیا۔ اے
کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، آپ نے پوچھا کیا
میری قوم مجھے نکال دے گی انہوں نے کہا ہاں اور یہ بھی کہا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو اس کو
لے کر جو کوئی بھی آیا اس سے اس کے لوگوں نے دشمنی ہی کی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا
تو تمہاری مدد کروں گا اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔

(۱) یہ لرزہ اس ذمہ داری کے احساس کی وجہ سے تھا جو اچانک آپ پر ڈال دی گئی تھی اور آپ نے جو کچھ فرمایا اور حضرت
خدیجہ نے جس طرح تسلی دی وہ ایک خالص قطری کیفیت کے ہو اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت جبریل کی آمدی رہی اور اسے پرستور غارہ امامی جاتے رہے۔
حضرت مسلم سے کہ جبہ ماہ کا رہا اسکے قلب پر جنوری
اثرات برقاضا میں پیدا ہوئے تھے، وہ دوسرے چھوٹے اب پھر
نہول وی کا مشتاق ہو گیا۔ نہال کر جب بی عرصہ پھر کرتے تھے، اور
امینان کے لئے کبھی بھی دھنرت جب میں تشریف لائے رہے اور آپ کو اطمینان دلاتے
رہے کہ یقیناً آپ کا انتساب بیشیت رسول ہو چکا ہے، اسی انتظار اور اطمینان فرمائیں پھر

دعوت کی ابتداء

دعوت کے دو دور	☆
کلی زندگی	☆
کلی زندگی کے چار دور	☆
پہلا دور..... خفیہ دعوت	☆
قرآن کی تاثیر	☆
اعقادات کی اصلاح	☆
چھپ کر نمازیں	☆
اس دور کے مومنین کے خصوصیات	☆
دوسرا دور اعلان دعوت	☆
دعوت کی مخالفت	☆
مخالفت کے اسباب	☆
مخالفوں کی مجبوریاں	☆
حالات کا مقابلہ	☆
دعوت کی طرف لوگوں کی توجہ	☆
مخالفوں کی پیشکش	☆

تیرا دوڑ..... ابتلاء و آزمائش

☆

جہش کی ہجرت

☆

مسلمان نجاشی کے دربار میں

☆

نجاشی کا اسلام

☆

حضرت حمزہ کا ایمان

☆

حضرت عمر کا اسلام

☆

شعب الی طالب میں قید

☆

دعوت کی رفتار

☆

چوتھا دوڑ..... مظالم اور مصائب کی انتہاء

☆

کے سے باہر تنخ

☆

لیلۃ الجن

☆

مدینہ میں اسلام

☆

مخالفت میں شدت

☆

بیعت عقبہ اولیٰ

☆

بیعت عقبہ ثانیہ

☆

غارِ حرام میں پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ دنوں تک کوئی وحی نہیں آئی۔ اس کے بعد سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

يَا يَهَا الْمُدْثَرُ ۝ قُمْ فَانْذِرْ ۝ وَ رَبِّكَ فَكَبِرُ وَثِيَابَكَ فَطَهَرْ ۝ وَ الرُّجْزَ
فَاهْجُرْ ۝ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ ۝ وَ لِرِبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (۱۷: ۱-۷)

ایے کملی اوڑھنے والے۔ اٹھ (اور لوگوں کو گمراہی کے انجام سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی اور بزرگی بیان کر اور بس کو پاک کر اور بتوں سے الگ رہ اور زیادہ حاصل کرنے کی نیت سے کسی کے ساتھ احسان مت کر اور اپنے رب کی خاطر اذیت اور مصیبت پر صبرا اختیار کر۔“

نبوت کے کام پر مامور ہونے کی یہ ابتداء تھی۔ اب باضابطہ حکم مل گیا۔ کہ اٹھوا اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو اس کی فلاج اور کامرانی کا راستہ دکھاؤ اور لوگوں کو خبردار کر دو کہ کامیابی کی راہ صرف ایک ہی ہے۔ یعنی خدا نے واحد کی بندگی، جو کوئی اس راہ کو اختیار کرے گا وہی کامیاب ہوگا اور جو کوئی اس کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کرے اسے آخرت کے برے انجام سے ڈراو۔ انسانی زندگی کی بنیاد صرف ایک خدا کی بندگی اور اس کی عظمت و کبریائی کے اعتراف پر ہوتا چاہیے۔ اسی صورت میں وہ ہر قسم کی ظاہری ناپاکیوں اور اندر ورنی گندگیوں سے پاک رہ سکتی ہے۔ خدا کے علاوہ دوسروں کی بندگی، یہی وہ بس کی گانٹھ ہے جو انسان کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ انسانوں کو آپس میں حسن سلوک کا برہتا و کرنا چاہیے۔ ایسا حسن سلوک جس کی بنیاد کسی غرض اور لاچ پر نہ ہو۔

دعوت کے دو دور:

یہاں سے اب آنحضرت ﷺ کی زندگی کا دعویٰ دُور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کو ہم دو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک وہ حصہ جو ہجرت سے پہلے تک میں بسر ہوا جسے کمی دُور کہتے ہیں اور دوسرا وہ حصہ جو ہجرت کے بعد مدینے میں گزرا اور جسے مدینی دُور کہتے ہیں پہلا دور ۱۳ سال اور دوسرا دس سال کے قریب رہا۔

مکی زندگی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا وہ دور جو کئے میں گزرا، اپنے ننانج کے اعتبار سے نہایت درجہ اہم ہے دراصل یہی وہ دور ہے جس میں اسلام کی بھیتی کی تحریم ریزی ہوئی، یہی وہ دور ہے جس میں انسانیت کے ایسے ایسے اعلیٰ نمونے تیار ہوئے جنہوں نے اسلامی تحریک کو سارے عالم میں روشناس کرایا۔

تاریخ اور سیر کی جو کتابیں اس وقت موجود ہیں، ان میں مکی دور کی تفصیلات بہت ہی کم ملتی ہیں، اس دور کی اہمیت اور اس کے سبق آموز حالات کو جانے کیلئے قرآن پاک کے اس حصے کو بغور مطالعہ ضروری ہے جو کئے میں نازل ہوا۔

داراصل مکی دور کی صحیح اہمیت کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مکی سورتوں کے انداز دعوت، اس وقت کے حالات اور واقعات کی تفصیل، توحید و آخرت کے دلائل، کردار اور سیرت کی تغیری کیلئے ہدایات اور حق و باطل کی انتہائی صبر آزمائش مکش کے دوران میں تحریک کو آگے بڑھانے اور تحریک کے علم برادروں کو ان کے مقام پر قائم رکھنے کی جدوجہد کی تفصیلات سامنے آئیں، ان تفصیلات کا علم قرآن پاک کے براہ راست اور بغور مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں، البتہ یہاں ہم کچھ مختصر طور پر اس دور کی تفصیلات بیان کریں گے۔

مکی زندگی کے چار دور:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا وہ حصہ جو هجرت سے پہلے کئے میں بس رہوا اور جس میں اسلامی تحریک دعوت کے مختلف مرحلوں اور کش مکشوں سے ہو کر گزری اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے چار مختلف دوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا دور:

نبوت کے بعد سے لے کر تقریباً تین سال تک جس میں آپ دعوت و تبلیغ کا فرض خفیہ طور پر انجام دیتے رہے۔

دوسرا در

نبوت کے اعلان سے لے کر تقریباً دو سال تک جس میں سے تو پھٹا الفت ہوئی، پھر خی اڑائی گئی، مختلف احتجاجات تراشے کئے، برا بھلا کہا کیا اور جھوٹے پروپیگنڈوں اور بخالفانہ نیشنلائز سے دعوت اسلامی کو دیانت کی کوشش کی گئی۔

تیسرا در

جب اس پہ بھی تحریک اسلامی مدار بھتی کی تو پھر قلم و سُم کا دور پڑوئے ہوا اور مسلمانوں پر زیادتیاں ہوتی نہ لیں۔ یہ دور تقریباً پانچ چھ سال تک رہا اور اس میں مسلمانوں کو مطری طرح کی مصیبتوں سے روپاڑا ہوا ہوا۔

چوتھا در

ابوظاب اور حضرت خدیجی وفات کے بعد سے لے کر تحریک باتیں سال یہ دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے راستھوں کیلئے انتہائی سختی اور صعیبیت کا زمانہ تھا۔

خفیہ دعوت

کارنبوت پر مامور کیے جانے کے بعد سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ صرف ایک خدا کی بندگی اختیار کرنے اور باقی سینکڑوں خداوں کا انکار کر دینے کی دعوت سب سے پہلے کے دی جائے۔ قوم اور ملک کے لوگوں کی جو حالت تھی اس کا ایک ہلکا سانقشہ ہم اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے وہ بات پیش کرنا جوان کے مزاج، پسند اور عادتوں کے بالکل خلاف ہو، واقعی بُرا سخت مرحلہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے ان لوگوں کو منتخب فرمایا جن سے اب تک بہت قریبی تعلقات رہے تھے اور جو آپؐ کی عادات اور اخلاق کا براہ راست تجربہ رکھتے تھے۔ آپؐ کی سچائی اور دیانت کے بارے میں قطعی فیصلہ کر چکے تھے اور ان کے لیے یہ آسانی سے ممکن نہ تھا، کہ وہ آنحضرت ﷺ کی فرمائی ہوئی کسی بات کا انکار کر سکتیں۔ ان لوگوں میں سب سے زیادہ محرم راز حضرت خدیجہؓ پھر اس کے بعد حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم تھے، حضرت علیؓ آپؐ کے پچھا زاد بھائی حضرت زید غلام اور حضرت ابو بکرؓ دوست تھے۔ یہ لوگ برسوں سے آپؐ کی صحبت سے فیض یات ہو رہے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا اور اس کے بعد دوسرے بزرگوں تک بات پہنچائی، یہ سب کے سب گویا کہ پہلے سے مومن تھے۔ سنا اور تصدیق کی۔ یہی لوگ سب سے پہلے صاحبِ ایمان تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی ترغیب اور ہدایت سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمنؓ ابن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقار اور حضرت طلحہؓ ایمان لائے۔ اس طرح اسلام کی دعوت چکے چکے پھیلتی رہی اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

قرآن کی تاثیر:

اُس دور میں جو قرآن نازل ہوا تھا وہ دعوت کے ابتدائی مرحلے کی مناسبت سے چھوٹے چھوٹے بولوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جن کی زبان نہایت ہی عمدہ، شیریں اور انہائی پر اثر تھی۔ پھر ان میں ایسا ادبی رنگ تھا کہ سننے والے پر فور آہی اثر پڑتا تھا اور یہ بول دلوں میں تیرو نشتر کی طرح اتر جاتے تھے جو سنتا تھا وہ اثر قبول کرتا تھا اور اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ ان بولوں کو بار بار دہرائے۔

اعتقادات کی اصلاح:

قرآن پاک کی ان سورتوں میں توحید اور آخرت کی حقیقتیں بیان کی جاتی تھیں۔ اور ان کے بارے میں ایسے ثبوت پیش کیے جاتے تھے جو دلوں میں اتر جائیں۔ اس کے لیے سننے والوں کے قریبی ماحول سے ہی دلائل و شواہد پیش کیے جاتے تھے اور یہ باتیں ایسے انداز میں پیش کی جاتی تھیں جس سے مناطب اچھی طرح ہانوں تھے۔ ان ہی کی تاریخ کے واقعات اور ان ہی کی روایات کی بنیادوں پر اصل بات کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اعتقادات کی ان گمراہیوں کا ذکر کیا جاتا تھا جن سے لوگ خود واقف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جو کوئی اس کلام کو منتا، متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اللہ کے نبی نے تنہا اس دعوت کو شروع کیا۔ لیکن یہی قرآن پاک کی ابتدائی آیات کا نزول تھا، جو اس میدان میں سب سے زیادہ کارگر ہتھیار کا کام دے رہا تھا اور دعوت آہستہ آہستہ پوشیدہ طور پر پھیل رہی تھی۔

اس دور میں دعوت و تبلیغ کے لیے توحید و آخرت کے دلائل کے ساتھ ساتھ آخرت ﷺ کو برابر اس امر کی تعلیم بھی دی جا رہی تھی کہ وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور اس اہم کام کو انجام دینے کے لیے کیا کیا صورتیں اختیار کریں۔ چھپ کر نمازیں:

ابھی جو کچھ ہورہا تھا پوشیدہ طور پر ہورہا تھا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ قابل اعتماد لوگوں کے علاوہ بات کہیں باہرنہ جائے۔ جب نماز کا وقت آتا تو آخرت ﷺ کی پہاڑ

کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چپا ابو طالب آنکھے اور عبادت کے اس نئے طریقے کو دیری تک تعجب کے ساتھ دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا ”یہ یون ما دین ہے؟“ آنحضرت نے فرمایا۔ ”ہمارے دادا ابراہیم کا دین ہے۔“ ابو طالب بولے۔ ”خیر میں تو اسے اختیار نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے کوئی شخص تمہاری مراجحت نہ کر سکے گا۔“

اس دور کے مومنین کی خصوصیات:

اس ابتدائی دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت اسلام قبول کرنا اور پھر آنحضرت ﷺ کا ساتھ دینا گویا جان پر کھیل جانا تھا۔ اس دور میں جن لوگوں نے آگے بڑھ کر اس دعوت کو قبول کیا ان میں یقیناً کچھ ایسی خصوصیات تھیں جن کی بنیاد پر وہ اس میدان میں آگے بڑھ سکے۔ ان کی چند مشترک خصوصیات یہ ہیں کہ بزرگ پبلے سے مشرکانہ رسوم و عبادات سے بیزار تھے اور حق کی تلاش میں تھے طبیعت کے اعتبار سے یہ لوگ نیک اور پاکیزہ اخلاق والے تھے۔

تقریباً تین سال تک دعوت و تبلیغ کا کام پوشیدہ طور پر ہوتا رہا لیکن آخر کب تک جس آفتاب کو اپنے نور سے سارے عالم کو روشن کرنا تھا اسے تو بہر حال سامنے آ کر نگاہوں کو خیرہ کرنا ہی تھا چنانچہ اب دعوت اپنے دوسرا مرحلے میں داخل ہوئی۔

اعلانِ دعوت

اب صاف حکم مل گیا کہ دعوت علی الاعلان دی جائے۔ چنانچہ ایک دن آنحضرت ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پکارا۔ ”یا صبا حا۔“ عرب میں دستور تھا کہ اگر کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو کوئی شخص کسی اوپنجی جگہ پر چڑھ کر یہ الفاظ پکارتا تھا اور لوگ اس پکار کو سن کر جمع ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب کوہ صفا سے آنحضرت نے یہ نداء بلند فرمائی اور اہل قریش کو پکارا تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ان لوگوں میں آپ کا چچا ابوالہب بھی تھا۔ جب لوگوں جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک بڑا شکر جمع ہے اور تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے تو کیا تم میری بات کو صحیح مانو گے؟“ لوگوں نے کہا۔ ”بے شک صحیح مانیں گے تم نے اب تک کوئی بات جھوٹ نہیں کہی ہے اور ہم تمہیں صادق اور امین جانتے ہیں۔“ تب آپ نے فرمایا۔ ”لوگو! میں تمہیں ایک خدا کی بندگی کی طرف بلاتا ہوں اور بتوں کی پوچھائی سے بچانا چاہتا ہوں لیکن اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو میں تمہیں ایک بہت سخت اور دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں۔“

جب قریش نے یہ بات سنی تو سخت ناراض ہوئے اور ابوالہب نے نہایت غضبناک ہو کر کہا۔ ”کیا بس تو نے اسی کے لیے ہمیں پکارا تھا۔؟“

اسلامی دعوت کی یہ عام پکار تھی۔ اب خدا کے رسول نے صاف صاف کھل کر اعلان کر دیا کہ اسے کیا کہنے پر مامور کیا گیا ہے اور وہ کون سی شاہراہ ہے جس کی طرف وہ ہر ایک کو بلارہا ہے۔ زبانِ نبوت سے اب اس بات کا اعلان ہو گیا کہ دراصل اس بے پایاں مملکت کا

خالق اور مالک صرف اللہ ہے۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کا مالک بھی ہے۔ انسان کا مقام اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ اور غلام ہے، اسی کی تابعداری اور فرمانبرداری کرنا اس کا فرض ہے۔ اس کو چھوڑ کر دوسروں کے آگے سر جھکایا اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا اسکے اس منصب کے خلاف ہے جو اس کو اس کے مالک کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ حقیقت میں صرف ایک اللہ ہی انسان کا اور تمام جہان کا خالق، معبود اور حاکم ہے۔ اس کی اس سلطنت میں انسان نہ خود مختار ہے اور نہ کسی دوسرے کا بندہ۔ انسان کے لیے اللہ کے سوا کوئی ذو سرا اطاعت، بندگی اور پرستش کا مستحق نہیں۔ دنیا کی یہ زندگی جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ اختیارات دے کر بھیجا ہے۔ دراصل اس کے لیے ایک امتحان کی مدت ہے۔ جس کے بعد اسے لازماً اللہ کے پاس جانا ہو گا اور وہ انسان کے تمام کاموں کی جائیج کر کے فیصلہ کرے گا کہ انسانوں میں سے کون اس امتحان میں کامیاب رہا اور کون ناکام۔“

یہ اعلان کوئی معمول اعلان نہ تھا، اس نے قریش اور دوسرے لوگوں میں ایک آگ لگا دی اور چہار طرف اس دعوے کے بارے میں چہ میگویاں ہونے لگیں۔ چند روز کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان کرو۔ اس دعوت میں تمام خاندان عبدالمطلب کو بلایا گیا۔ اس میں حزہ، ابوطالب، عباس سب شریک تھے۔ کھانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ ”میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے لیے کافی ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔؟“ یہ بڑا سخت مرحلہ تھا۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں ساتھ دینے کا مطلب یہ تھا کہ نہ صرف خاندان، قبیلے اور شہر کے لوگوں کی بلکہ سارے عرب کی مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لیے آدمی تیار ہو جائے اور صرف اس لیے تیار ہو جائے کہ اس کے بدلتے میں آخرت کی زندگی کامیاب ہو گی اور بندہ اپنے مالک کے حضور سرخوئی حاصل کرے گا۔ اس کے سوا کوئی ذو سرا فائدہ ذور دو تک نظر نہ آتا تھا۔ چنانچہ ساری مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ اٹھئے تو کسی حضرت علیؓ اٹھئے اور فرمایا۔ ”اگرچہ میری آنکھیں آئی ہوئی ہیں (اس وقت آپ کی آنکھیں ذکر رہی

تھیں) گوئی ناگزیر ہیں اور میں سب سے کم عمر بھی ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ ”قریش کے لیے یہ منظر بھی عجیب تھا کہ ایک تیرہ سالہ نو عمر بلا کچھ سوچے سمجھئے کتنا بڑا فیصلہ کر رہا ہے۔

دعوت کی مخالفت:

اس وقت تک اسلامی جماعت میں چالیس سے کچھ زیادہ آدمی داخل ہو چکے تھے۔ اب ایک دن آنحضرت ﷺ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان فرمایا۔ مشرکین کے نزدیک یہ حرم کعبہ کی سب سے بڑی تو ہیں تھی۔ اس اعلان کے کرتے ہی ایک ہنگامہ انٹھ کھڑا ہوا۔ ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت حارث بن الی ہالہ آپ کی مدد کے لیے دوڑے لیکن ان پر چاروں طرف سے اتنی تکواریں پڑیں کہ وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلی شہادت تھی۔ اللہ کے فضل سے آنحضرت ﷺ محفوظ رہے اور کسی نہ کسی طرح ہنگامہ فرد ہو گیا۔

مخالفت کے اسباب:

اسلامی دعوت کا یہ اعلان سب سے زیادہ قریش کے لیے پریشانی کا موجب تھا اور وہی اس دعوت کے سب سے سخت مخالف بھی تھے۔ اس وقت ملکے کی جو عزت تھی وہ کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش کا خاندان کعبے کا مجاور اور متواتی تھا اور اس طرح گویا قریش کی ایک قسم کی مذہبی حکومت تقریباً سارے عرب پر قائم تھی۔ مذہب کے معاملے میں لوگ ان کی طرف سیکھتے تھے اور اکثر ان کی رہنمائی پر اعتماد کرتے تھے۔ اسلامی دعوت کی سب سے پہلی اور سب سے سخت چوٹ اسی مذہب پر پڑتی تھی جس کی نمائندگی قریش کر رہے تھے اور ظاہر ہے کہ باپ دادا کے مذہب کے ساتھ جاہل قوموں کو جیسی کچھ انہی عقیدت ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں وہ کسی معقول بات کو سخنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے، کہ لوگ اس نئی دعوت کو سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے۔ پھر قریش کے باقتدار لوگوں کو یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ اس دعوت کے پھولنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ان کا سارا اقتدار نئی میں مل جائے گا اور انہیں جو مذہبی قیادت کا مقام حاصل ہے، وہ آپ سے آپ ختم

ہو جائے گا۔ اس لحاظ سے جو شخص جتنی بڑی گدی کا مالک تھا، اتنا ہی زیادہ اسلامی تحریک کی مخالفت میں سرگرم تھا۔ پھر قریش میں بہت سی بداعلا قیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے لوگ ان برائیوں میں جلتا تھے اور باوجود اس سب کے ان کا مذہبی مقام ان کو لوگوں کی نظر وہ میں گرنے نہیں دیتا تھا۔ آنحضرت ﷺ ایک طرف توبت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے اور اس کے مقابلے میں خالص توحید کی دعوت دیتے تھے، دوسری طرف وہ انسانی بینادی اخلاقیات کی ایک ایک کمزوری کو کھل کر بیان فرماتے تھے، اور ان سب سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے۔ اس قسم کی باتیں ان ”بڑے“ لوگوں کو سخت پریشانی میں جلتا کر دیتی تھیں، کیونکہ بہر حال وہ باتیں ایسی تو تھیں نہیں، جنہیں وہ صحیح کہہ سکتے تھے لیکن چونکہ خود ان کے دامن ان برائیوں سے پاک نہیں تھے، اس لیے جب عوام کے سامنے نہیں تو پیچھے ضرور ان کے بارے میں نکتہ چیزیاں ہو رہی ہیں۔ یہ بات ان کی جھنجلاہٹ کو بڑھانے کے لیے بہت کافی تھی قرآن مجید میں برابر ایسے بدکاروں اور بداعلاقوں کیلئے آیتیں نازل ہو رہی تھیں جب یہ آیتیں لوگوں میں پھیلتیں تو ہر شخص محسوس کر لیتا کہ پانی کہاں کہاں مر رہا ہے تحریک اسلامی کی مخالفت اور دشمنی کیلئے یہ تمام اسباب اتنے کافی تھے کہ ہو سکتا تھا کہ صاحبان اقتدار اسلامی جماعت کے تھوڑے سے افراد کے خلاف ٹکوار لے کر اٹھ کھڑے ہوتے اور اس خطرے کا یک بارگی سد باب کر دیتے لیکن مشیت الہی میں تو یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ان ہی مٹھی بھر انسانوں کے ہاتھوں سارے عالم کو اللہ کی وہ رحمت پہنچنا ہے جو رہتی دنیا تک انہائیت کی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ اس لیے اس وقت کچھ ایسے اسباب بھی فراہم ہو گئے تھے جن کی وجہ سے قریش یہ اقدام نہیں کر سکتے تھے۔

مخالفوں کی مجبوریاں

قریب عی زمانے میں قریش خانہ جنگیوں کے باعث تباہ ہو چکے تھے جنگ فقار کے بعد لڑائی سے اتنے عاجز آگئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ پھر یہ تھوڑے سے مسلمان جو مختلف قبیلوں سے چھپت کر اسلامی جماعت میں شامل ہو گئے تھے، ان کے قتل کا مطلب یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبیلوں سے جنگ چھڑ جائے کیونکہ اس وقت کسی ایک شخص کا

قتل دراصل اس قبلیے کے خلاف اعلانِ جنگ تھا جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا، اس طرح اندیشہ تھا کہ کہیں سارا مکہ لڑائی کا میدان نہ بن جائے چنانچہ اس مرحلے میں تحریک کو دبائے کیلئے کچھ دوسری تدبیریں اختیار کی گئیں۔

دعوت اور داعی کی بُنسی اڑائی گئی غلط ازامات لگائے گئے، راستے گلی میں گالیوں اور پھبیوں سے تواضع کی گئی، نئے نئے انداز سے غلط اور جھوٹی باتیں منسوب کر کے پروپیگنڈہ کیا گیا۔ مجنون اور پاگل کا خطاب دیا گیا۔ شاعر اور جادوگر کہہ کر مشہور کیا گیا۔ لوگوں کو روکا گیا کہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سخنے پائے۔

حالات کا مقابلہ

اس دور میں قرآن کی جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے برابر ہدایات دی جا رہی تھیں اور مخالفین کے اعتراضات کے معقول اور مناسب جوابات بھی دیئے جا رہے تھے مثلاً سورہ قلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیم خاطر کیلئے فرمایا گیا ”آپ پر تو اللہ کا بڑا کرم ہے۔ آپ مجنون نہیں، آپ پر تو اس کی بے انتہا عنایات ہیں، جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس کی عقل ٹھکانے نہیں ہے، آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون سید ہے راستے پر ہے اور کون بھٹکا ہوا ہے۔ آپ اپنا کام کیے جائیے۔ جو لوگ اس دعوت کو جھلکا رہے ہیں ان کا کہا ہرگز نہ مانیجے، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ اپنی تحریک اور دعوت کے کام کو ذرا ڈھیلا کر دیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں، لیکن آپ کا یہ کام نہیں کہ آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کریں۔ جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اس کو نہ ماننے کا معاملہ آپ میرے اوپر جھوڑ دیں انہیں جلدی معلوم ہو جائے گا کہ انہیں جو ڈھیل دی جا رہی ہے اس کا کیا مطلب ہے آپ ان سے کہہ دیجیے کہ کیا میں تم سے کچھ طلب کرتا ہوں یا اپنے فائدے کے لیے تم سے کچھ چاہتا ہوں یا میری بات کے خلاف تمہارے پاس کوئی معقول ثبوت ہے ظاہر ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے لہذا آپ نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے کام پر جمعے رہئے۔ آپ اور آپ کے ساتھی ان حالات کا مقابلہ نہایت صبر کے ساتھ کرتے رہیں حالات اپنے وقت پر بد لیں گے۔“

یہ تقریر ایک نمونہ ہے، اس قسم کی تقاریر برابر نازل ہوتی رہیں، صاف صاف بتا دیا گیا کہ دائی حق نہ مجنون ہے، نہ کاہن، نہ شاعر ہے، اور نہ جادوگر۔ کاہنوں شاعروں اور جادوگروں کی خصوصیات سامنے رکھوا اور دیکھو کہ دائی حق میں ان میں سے کون سی بات پائی جاتی ہے۔ وہ کلام جو وہ پیش کر رہا ہے وہ اخلاق جس کا مظاہرہ اس کے ہر کام سے ہو رہا ہے اور وہ زندگی جو وہ تمہارے درمیان بسر کر رہا ہے بھلا ان باتوں کو شاعروں کاہنوں اور جادوگروں کی باتوں سے کیا نسبت۔

دعوت کی طرف لوگوں کی توجہ

اہل ملکہ نے اس قسم کی غلط باتوں کو مشہور کر کے لوگوں کو روکنے کی جتنی کوشش کی اتنا ہی لوگوں میں یہ اشتیاق بڑھا کہ آخر دیکھیں تو یہ صاحب کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ جو لوگ عرب کے دوسرے علاقوں سے ملکے میں حج کے موقعہ پر یا دوسرے اوقات میں آتے رہتے تھے، ان میں سے کتنے ہی چھپ چھپ کر آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے تھے یہاں آ کر جب آپ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھتے اور آیات الہی کو سنتے تو دل کی دنیا ہی بدل جاتی اور اب اپنے اپنے علاقوں میں جا کر اسلام کی دعورت پھیلانے لگتے۔

جب پہ چرچا دوسرے شہروں میں پھیلا تو دور دراز علاقوں سے لوگ صرف آپ کے بارے میں دریافت حال ہی کے لیے آنے لگے۔ اس قسم کے واقعات میں حضرت ابوذرؓ کا واقعہ ایک اچھی مثال ہے، غفار کا قبیلہ اس راستے پر آباد تھا جس سے ہو کر قریش ملک شام کو تجارت کیلئے جایا کرتے تھے۔ جب وہاں یہ بات پہنچی تو حضرت ابوذرؓ کے دل میں بھی ملاقات کا شوق پیدا ہوا، انہوں نے پہلے اپنے بھائی انبیس کو ملکے بھیجا کہ جاؤ دیکھو یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم کیا ہے؟ انبیس کے میں آئے اور حضورؐ کے بارے میں دریافت حال کر کے جب واپس ہوئے تو اپنے بھائی سے جا کر میان کیا کہ وہ شخص نہایت ہی اعلیٰ اخلاق کا انسان ہے، اچھے اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ایک خدا کی طرف لوگوں کو بلا تا ہے، وہ جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔“

حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر بات سے تسلیم نہ ہوئی، خود سفر کیلئے تیار ہو گئے کے میں

پہنچ توڑ کے مارے کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک نہ پوچھ سکے، حرم میں حضرت علیؑ سے ملاقات ہو گئی، تین دن ان کے ہاں مہمان رہے جب کہیں ہمت ہوئی کہ اپنے سفر کی غرض ان سے بیان کریں۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ کو ہدایت کی کہ اب اپنے قبیلے میں واپس جاؤ لیکن توحید خالص کا جو نازہ تازہ اثر دل پر ہوا تھا اس نے ساری مصلحتوں اور خوفوں کو دل سے دور کر دیا تھا۔ وہاں سے آتے ہی حرم میں آ کر پکارا

اَشْهَدُ اَنْ لَا إِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

یہ سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوز پڑے اور مارنا شروع کر دیا، وہ تو خیر ہو گئی کہ عین وقت پر حضرت عباس آگئے اور انہوں نے مارنے والوں سے کہا کہ یہ غفار کے قبیلے کے آدمی ہیں اور تمہارا تجارتی راستہ ان کے قبیلے کے پاس سے ہو کر گزرتا ہے اگر انہوں نے تمہارا راستہ بند کر دیا تو کیا کرو گے؟ یہ سن کر لوگوں نے آپؐ کو چھوڑ دیا۔

حضرت ابوذرؓ جب اپنے قبیلے میں پہنچ اور جا کر اسلام کی دعوت دی تو تقریباً آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا غفار کے قریب ہی اسلام کا قبیلہ تھا، ان کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام کی دعوت قبول کر لی، غرض یہ کہ اسلام کی دعوت مسلسل پھیلنی شروع ہو گئی۔ یہ بات مخالفین کیلئے سخت اذیت اور تکلیف کا باعث بنتی رہی۔ چنانچہ اب ان میں سے کچھ لوگ مجبور ہو کر ابوطالب کے پاس شکایت لے کر گئے، اس وفد میں تمام رو سائے قریش شامل تھے انہوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو تو ہیں کرتا ہے، ہمارے باپ دادا کو گراہ ہتا تا ہے اور ہم سب کو غلط کارا اور حمق کہتا ہے لہذا یا تو تم پنج سے ہٹ جاؤ تو پھر ہم معاملہ کو آخری بار چکاڑ لیں، یا پھر تم اسے سمجھا و جب ابوطالب نے اندازہ کیا کہ اب معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے اور میں اکیلا کب تک سارے قریش کا مقابلہ کروں گا تو آنحضرت سے بولے ”پیارے بھتیجے! میرے اوپر اتنا بوجھ تو نہ ڈال کہ میں اٹھانہ سکوں۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ اب ابوطالب کے قدم بھی ڈگنگائے جا رہے ہیں تو نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ ”خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور

دوسرا ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے بازنہ آؤں گا خدا یا تو اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس کام پر شمار ہو جاؤں گا۔ آپ کے اس پختہ ارادے اور باہمیت نیچلے کو سن کر ابو طالب کی بھی ہمت بندگی اور انہوں نے کہا کہ ”جا، کوئی تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔“

مخالفوں کی پیش کش

قریش جب اس طرف سے بھی مایوس ہو گئے تو آخری چارہ کار کے طور پر طے کیا کہ اگر سختی سے نہیں تو نرمی سے ہی اس نئی تحریک کا خاتمه کر دیا جائے۔ چنانچہ عقبہ بن ربعہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا اس نے آکر کہا:-

”محمد! آخر ہتاو، تم چاہتے کیا ہو؟ کیا مکے کی حلموت چاہتے ہو؟ کسی بڑے گھرانے میں شادی کی خواہش ہے؟ یادوں کے ڈھیر مطلوب ہیں؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں، تم اس کے لئے کیوں یہ سب کچھ کرتے ہو، ہم اس پر راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارے زیر فرمان ہو جائے یا اور جو کچھ چاہو وہ کر دیا جائے لیکن تم اپنی اس دعوت سے بازاً جاؤ۔“

مخالفین بے چارے اتنا ہی سوچ سکتے تھے ان کے ذہنوں میں یہ بات آتی ہی نہ تھی کہ کوئی تحریک چلائی جائے یا کوئی دعوت بلند کی جائے اور اس کے پیچھے کوئی چھپی ہوئی مادی غرض نہ ہو۔ ان کے ذہن یہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے کہ کوئی کام صرف خدا کی خوشنودی اور محض اس کی اطاعت کیلئے بھی کیا جا سکتا ہے۔ وہ تو یہی جانتے تھے کہ جان اور مال کی بازی حکومت اور دولت ہی کیلئے لگائی جاتی ہے انہیں کیا معلوم تھا کہ آخرت کی دامنی زندگی کی کامیابی کے لیے بھی لوگ یہ سودا کر لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ عقبہ کو پورا یقین تھا کہ اس کی درخواست ضرور منظور ہو جائے گی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں جن میں توحید کی دعوت اور اپنی رسالت کی وضاحت کی گئی تھی۔

عقبہ یہ سن کر واپس ہو گیا اور اتنا اثر لے کر گیا کہ جب اس نے قریش کے سرداروں کے سامنے اپنی روپورث پیش کی تو کہا کہ ”محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری تو نہیں ہے

پچھا اور پیغمبر ہے، میری رائے ہے کہ تم ان کو ان کے طالب پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہو سکتے تو
مارے ہم رب پر عالم اس طالب اپنے جانیں کے اور اس میں تین ہماری بھی حرارت ہے، اور تینیں تو مرد خوا
نہیں فنا کر دے گا، میں اُن تین نے یہاں کے منظور نہیں کی۔

اب ایک بھی چارہ کار باتی مگر تھا جو ہر بھل اس امر میں تو کے ظاف افشار
کیا کرتا ہے لیکن پورے تھوڑے داور زور کے ساتھ اُن کی آواز کو دبا نے کی کوشش ۔ یعنی اب
قریش نے ہمکی فیصلہ کیا کہ مسلمانوں پر اُنکی تھیں کی جائیں کو روشنک کار ایسا نیز
بھیج دیجئے جسے جہاں سمع مل سکے اور اس کے لئے اور ازیت دے۔

ابتلاء و آزمائش

اب تک دعوت اسلامی کا جو کام ہوا تھا اس کا رد عمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا تھا:-

(۱) کچھ نیک اور بھلے لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور وہ ایک گروہ بن کر تحریک کو آگے بڑھانے کیلئے ہر قیمت پر آمادہ ہو گئے۔

(۲) بہت سے لوگ اپنی نادانی، خود غرضی یا اپنے باپ دادا کے دین کی انہی عقیدت کی وجہ سے اس تحریک کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔

(۳) ملکے اور قریش کی حدود سے نکل کر یہی دعوت نسبتاً زیادہ وسیع حلقے تک پہنچنے لگی۔

اور اب یہاں سے نئی تحریک اور پرانی جاہلیت میں ایک سخت کش کمش شروع ہوئی جو لوگ اپنے پرانے دین سے چمنے رہنا چاہتے تھے انہوں نے پوری قوت سے تحریک اسلامی کو مٹا دالنے پر کرم بندھ لی اور اسلام قبول کرنے والوں پر انتہائی وحشیانہ ظلم و ستم ڈھائے اور ان کو ہر طرح سے عاجز کر دینے پر ٹکل گئے، چنانچہ یہی وہ دور ہے جس میں قریش کے مظالم کے انتہائی عبرت تاک واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

عرب جیسے گرم ملک کی تیز دھونپ میں دوپہر کے وقت جلتی ہوئی ریت پر مسلمانوں کو لانا، ان کے سینوں پر بھاری بھاری پھر رکھ کر دبانا، لوہے کو گرم کر کے داغ دینا اور پانی میں ڈکبیاں دینا، انتہائی بے دردی سے مارنا پیٹنا غرضیکہ یہ اور اسی قسم کے مظالم تھے جو مسلمانوں پر توڑے جانے لگے اگرچہ اس دور میں عام مسلمانوں کے لیے زندگی دو بھر کر دی گئی تھی لیکن تاریخ میں جن مظلوموں کی داستان کے کچھ حصے نقل ہوئے ہیں ان میں بطور نمونہ چند یہ ہیں۔

حضرت خباب آپؐ ائمہ انصار کے غلام تھے ابھی چھ سات آدمی ہی اسلام لائے تھے کہ آپؐ بھی اسلام سے مشرف ہوئے اور اسی "جرم" میں قریش کے مظالم کا نشانہ بنے قریش نے ایک دن زمین پر کوئلے جلا کر انہیں ان پر چٹ لٹایا اور اوپر سے ایک شخص نے سینے پر پاؤں رکھ کر دبایا کہ کروٹ لینے نہ پائیں یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے ہی خندے ہو گئے۔ مذکور کے بعد حضرت خبابؓ نے ایک بار اپنی جلی ہوئی پیٹھ پر سفید برص کے سے داغ دکھائے تھے۔

حضرت بلالؓ: آپؐ امیہ بن خلف کے غلام تھے ٹھیک دو پھر کے وقت امیہ ان کو جلتی ہوئی ریت کے اوپر لٹاتا اور بھاری پھر سینے پر رکھ دیتا اور کہتا کہ اسلام سے انکار کرنے نہیں تو یوں ہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا لیکن اس وقت بھی انتہائی کرب کی حالت میں آپؐ کی زبان سے "احمد" ہی نکلتا اور ان کا آقا ان کے گلے میں رسی باندھ کر لڑکوں کے حوالے کر دیتا اور وہ ان کو شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک گھینٹے پھرتے۔

حضرت عمارؓ: یمن کے رہنے والے تھے یہ ان باہمیت لوگوں میں سے ہیں جو بالکل ابتداء میں مسلمان ہوئے تھے۔ یہ جب اسلام لائے تو قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتا کرتا تا مارتے کہ یہ بے ہوش ہو جاتے۔

حضرت لبینہؓ: یہ ایک کنیز تھیں حضرت عمرؐ نے مسلمان ہونے سے قبل ان کو اتنا مارتے اتنا مارتے کہ خود تھک کر بیٹھ جاتے لیکن یہ اللہ کی بندی یہی کہتیں کہ اگر تم اسلام نہیں لاوے گے تو خدا تم سے اس کا بدلہ لے گا۔

حضرت زبیرؓ: یہ بھی حضرت عمرؐ کے گھرانے کی کنیز تھیں ایک بار ابو جہل نے ان کو اتنا مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

غرض یہ کہ مردوں اور عورتوں میں بہت سے ایسے لاچار اور مجبور مسلمان تھے جو طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے لیکن یہ تمام مظالم کسی ایک مسلمان کو بھی اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہ کر سکے۔

جب ان بے کس اور بے قصور مسلمانوں پر مظالم توڑے جاتے تھے تو لازماً لوگ متوجہ ہوتے تھے اور ان کے دل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ آخر وہ کون سالاچ ہے جو ان

لوگوں کو اتنی مصیبتوں کے باوجود اسلام سے چھٹے رہنے پر آمادہ کیے ہوئے۔ ہے سب جانتے تھے کہ یہ لوگ اپنے اخلاقی معاملات اور دوسراے انسانی رشتہوں کے اعتبار سے بہترین انسان ہیں اور ان کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم سوائے ایک اللہ کے اور کسی کو اپنارب آقا مالک اور معبود نہیں بنائیں گے اور اطاعت و بندگی صرف اس کی کریں گے۔^(۱) ان مظلوم مسلمانوں کی نیہ استقامت بہت سے لوگوں کے سامنے ایک بہت بڑا سوال بن کر آتی تھی اور ان کے دلوں میں لازماً ایک قسم کی نرمی پیدا کرتی تھی اور وہ اس نئی تحریک کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کی طرف مائل ہوتے تھے۔ اہل حق کی مظلومیت ہمیشہ حق کی کامیابی کا زینہ نہیں ہے۔ چنانچہ اب بھی ایک طرف تو مظالم توڑے جاری ہے تھے لیکن دوسری طرف اسلامی تحریک برابر پھیلتی جا رہی تھی۔ ملکے میں کوئی خاندان اور کوئی گھر ایسا نہ رہا تھا جس کے کسی نہ کسی شخص نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔

یوں دیکھنے میں یہ بات آج کل ہمارے لیے بہت معمولی بات ہو گئی ہے اور ہمیں تجھب ہونا ہے کہ آخر اتنی ہی بات کہنے پر لوگوں کو کیوں اتنا ستایا جا گئا تھا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے نہ تو لفڑرب کا پورا پورا مفہوم ہے اور نہ ہم عبادت کی پوری حدود کو سامنے رکھتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ جانتے تھے کہ ان کی زبان میں رب اور عبادت کے الفاظ کی دعائیں کیا ہیں؟ چنانچہ جب یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے تو کہنے والے اور سننے والے دونوں جانتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ:-

(۱) اللہ کے سوا کوئی دوسرا پروردگار نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو پھر انسان کو اسی کا شکر گزار ہونا چاہیے، اسی سے دعا میں مانگنا درست ہے اور محبت اور عقیدت کے ساتھ اسی کے سامنے سر جھکانا بھی نمیک ہے اس کے سوا کوئی دوسرا پرستش کا مستحق نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

(۲) اللہ کے سوا کوئی دوسرا حاکم اور فرماں رواں نہیں ہے اسی لیے اطاعت اور فرمانبرداری صرف اسی کی درست ہے انسان نہ تو خود اپنا حاکم بننے اور خدا کے سوا کسی دوسرے کی حکمرانی کو تسلیم کرے۔

یہی وہ اعلان تھا جس سے ایک طرف تو ان تمام معبودوں کی خدائی ختم ہوتی تھی جن کی عبادت باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی تھی اور دوسری طرف ہر قسم کی سرداری اور حکومت کے خلاف یہ کھلا ہوا اعلان بتعادت تھا، اسی لیے مذہبی پیشوں اور قبائل کے سردار اس اعلان کو برداشت کرے کیلئے کسی طرح تیار نہ تھے۔

اور بھی وجہ تھی کہ اسلام کے مخالف اور بھی زیادہ جھنجھلا ہٹ اور غصے کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ان کے اپنے بھائی، بھتیجے، بھینیں، بہنوئی، بیٹی، بیٹیاں دعوتِ اسلامی کو قبول کرتے جا رہے ہیں اور صرف اسلام کی خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کا ایسا نہ کہ جانے کیلئے تیار ہیں۔ ان لوگوں کے لیے یہ چوٹ سخت ناقابل برداشت تھی۔ پھر لطف یہ کہ جو لوگ اس نئی تحریک میں شامل ہو رہے تھے وہ ایسے لوگ تھے جو اپنی سوسائٹی میں بہترین لوگ سمجھے جاتے تھے۔ ان کی سوچ بوجھ اخلاق اور عام انسانی خوبیاں سب لوگوں پر واضح تھیں جب اس قسم کے لوگ اسلام قبول کر کے اپنے سارے مفادات پر پانی پھیرنے کیلئے آمادہ ہو جاتے تھے تو بہر حال ہر شخص سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ آخر اس تحریک اور اس کے دائی میں وہ کون سی کشش ہے جو لوگوں کو اس درجہ جاں ثاری پر تیار کر دیتی ہے۔ پھر لوگ یہ بھی دیکھتے تھے کہ اسلام کے دائرے میں آجائنے کے بعد یہ لوگ اور بھی زیادہ راست باز، سچ بآخلاق، معاملے کے اچھے اور پاکیزہ انسان بن جاتے ہیں۔ یہ سب باتیں ایسی تھیں جو ہر دیکھنے والے کو مجبور کرتی تھیں کہ وہ چاہے دعوتِ اسلامی کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن اپنے دل میں اس دعوت کی برتری محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جہشہ کو ہجرت ہنبوی

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تقریباً ۱۵ سال ہو چکے تھے۔ جب آپ نے یہ اندازہ فرمایا کہ ابھی قریش کے مظالم کے ختم ہونے کی صورت نہیں ہے اور بہت سے مسلمان ایسے وہیں جو کسی بھی بحث کے مقابلے میں اسلام سے منہ تو نہ موزیں گے لیکن بہر حال مصائب ان کی قوت برداشت سے باہر ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے لیے اسلام کے فرائض کا بجا لانا تک ناممکن ہوتا جا رہا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ کچھ مسلمان جہشہ کو ہجرت کر جائیں۔ جہشہ افریقہ کے مشرقی ساحل پر ایک ملک تھا جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند یہ میانی تھا اس ہجرت سے جہاں ایک غرض یہ تھی کہ کچھ مسلمان قریش کے جور و نظم سے کم از کم اس وقت تک نجات پا جائیں جب تک حالات کچھ درست نہ ہو جائیں۔ وہیں ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ ان جاں شاروں کے ذریعہ اسلام کی

دعوت کو کچھ دور دراز علاقوں تک پہنچنے کا موقع ملا۔

چنانچہ پہلی بار گیارہ مرد اور چار عورتیں اس ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ ان لوگوں نے ہنبوی ماہ رجب میں سفر کیا۔ اللہ کا کرنا جب یہ لوگ بندرگاہ پر آئے تو دو تجارتی جہاز واپسی کے لیے تیار تھے جو ان لوگوں کو بہت ہی سستے کرایہ پر لے گئے۔ قریش کو جب یہ خبر ہوئی تو انہوں نے ان لوگوں کا پیچھا کیا لیکن اللہ کے فضل سے ان کا جہاز روانہ ہو چکا تھا۔

جہش میں یہ مسلمان امن و امان سے رہنے لگے لیکن جب یہ خبریں قریش کو پہنچیں تو وہ بڑے تاؤ میں آئے اور آخر کار یہ طے پایا کہ کچھ لوگ جہش کے بادشاہ (عرب لوگ اسے نجاشی کہتے تھے) کے پاس جا کر کہیں کہ یہ لوگ ہمارے مجرم ہیں آپ انہیں اپنے ملک سے نکال دیجیے تاکہ ہم انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ عبد اللہ بن ربیعہ اور عمر و بن العاص اس کام کے لیے پختے گئے اور نہایت شان کے ساتھ یہ لوگ جہش روانہ ہوئے۔ پہلے یہ لوگ جا کر جہش کے پادریوں سے طے اور ان سے کہا کہ ان لوگوں نے ایک سانیا مہب نکالا ہے اور جب ہم نے انہیں نکال دیا تو یہ بھاگ کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے بادشاہ کے سامنے ہم یہ درخواست پیش کریں کہ یہ ہمارے مجرم ہیں جو بھاگ کر چلے آئے ہیں انہیں ہمیں واپس کر دیا جائے لہذا آپ صاحبان بھی دربار میں ہماری سفارش کریں۔

مسلمان نجاشی کے دربار میں

جب کئے والوں کی درخواست نجاشی کے سامنے پیش ہوئی تو اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ ”یہ تم نے کون سا نیامہ ہب ایجاد کیا ہے؟“ مسلمانوں نے اپنی طرف سے بات چیت کرنے کے لیے حضرت جعفر بن ابی طالب (حضرت علیؑ کے بھائی) کو مقرر کیا آپؐ نے دربار میں اس موقع پر جو تقریر فرمائی وہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:-

”اے بادشاہ! ہم ایک عرصے سے جہالت اور گمراہی کے اندر ہیروں میں بھٹک رہے تھے، ایک خدا کو بھول کر سینکڑوں بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، زنا، لوث مار،

چوری، اور ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہمارا رات دن کا کام تھا، ہمارا ہر طاقت و راپنے سے کمزور کو کھا جانے پر فخر کرتا تھا۔ غرض یہ کہ ہماری زندگی درندوں اور جانوروں سے بدتر تھی اللہ کی رحمت، لیکھیے کہ اس نے ہمارے حال پر حرم فرمایا۔ ہم میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوا جسے اللہ نے اپنا رسول بنایا ہم اس کے نسب سے واقف ہیں، وہ نہایت شریف ہے، ہم اس کے حالات سے واقف ہیں وہ انتہائی سچا امانت دار اور پاک دامن ہے۔ دوست اور دشمن نسب ہی اس کی نیکی اور شرافت کے قائل ہیں۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پھروں کو پوجنا چھوڑ دیں صرف ایک اللہ کو اپنا آقا و مالک تسلیم کریں اور اسی کی بندگی اختیار کریں، سچ بولیں، قتل و غارت سے باز آ جیں، قیمتوں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کی مدد کریں، زنا کاری، اور دوسری گندی باتوں سے بچیں نماز پڑھیں، روزے رکھیں، اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں، ناداروں اور غربیوں کی مدد کریں، ہم اس پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دیا اور تمام برے کاموں سے توبہ کی اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ہمیں مجبور کرتی رہی کہ ہم پھر پلٹ کر انہی کے دین پر آ جائیں اور اسی غرض کے لیے اب یہ لوگ آپ سے ہماری واپسی کے لیے اصرار کر رہے ہیں۔“

نجاشی نے کہا ”اچھا تمہارے نبی پر اللہ کا جو کلام اتراء ہے، اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سناؤ“ حضرت جعفرؑ نے سورہ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں، نجاشی پر بڑا اثر ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بولا ”خدا کی قسم یہ کلام اور انجلیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے قریش کے لوگوں سے صاف کہہ دیا کہ یہ مسلمان آپ کے حوالے نہیں کیے جائیں گے۔

نجاشی کا اسلام

دوسرے دن قریش نے ایک اور چال چلی۔ دربار میں جا کر کہا کہ ذرا ان مسلمانوں سے یہ تو پوچھیے کہ یہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ مسلمان تو عیسائیوں کے خلاف حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے کے بد لے مریم کا بیٹا کہتے ہیں اور جب یہ بات نجاشی کے سامنے آئے گی تو وہ ضرور مسلمانوں سے برگشتہ ہو جائے گا۔

نجاشی نے پھر مسلمانوں کو دربار میں نہلا بھیجا۔ جب یہ صورت حال سامنے آئی تو پہلے تو مسلمانوں کو بھی تردود ہوا لیکن حضرت جعفرؑ نے کہا ”جو کچھ بھی ہو ہمیں بات پچی ہی کہنا چاہئے“، چنانچہ حضرت جعفرؑ نے بھرے دربار میں اعلان فرمایا کہ ”ہمارے پیغمبرؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؓ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر تھے“، یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تینکا اٹھا لیا اور کہا ”خدا کی قسم جو تم نے کہا عیسیٰؓ اس تینکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں تھے“، اس طرح قریش کا یہ داؤ بھی ناکام ہو گیا نجاشی نے حضرت جعفرؑ اور آپؐ کے ساتھیوں کو عزت کے ساتھ اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر کے اسلام قبول کر لیا اس نجاشی کا نام اصحح تھا جب اس کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً نماز جنازہ پڑھی۔

رفتہ رفتہ تقریباً ۸۳ مسلمان جیشہ کو ہجرت کر گئے۔

حضرت حمزہؓ کا ایمان

مکنے میں ایک طرف قریش کے مظالم تھے، دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے صبر و استقامت کا مظاہرہ تھا اور اس کشکش کے دوران میں مکنے کے بہترین انسان ”کھنچ کھنچ“، کراسلام کے دائرے میں شامل ہو رہے تھے۔ حضرت حمزہؓ آپؐ کے چھا تھے لیکن ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین جس بے رحمی کے ساتھ آنحضرتؐ سے پیش آتے تھے، اسے اپنے تو کیا بیگانے بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، ایک دن ابو جہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی گستاخی سے پیش آیا، حضرت حمزہ شکار کو گئے ہوئے تھے جب واپس ہوئے تو ایک کنیز نے سارا واقعہ سنایا حضرت حمزہؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے تیر و کمان ہاتھ میں لیے ہوئے حرم میں آئے اور غصہ کی حالت میں ابو جہل کو برا بھلا کہا اور کہا ”لے میں مسلمان ہو گیا ہوں!“

حمایت کے جو ۷۰ ہمیں کہنے کو تو کہہ دیا لیکن ابھی دل باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا تمام دن سوچتے رہے آخر کار حق کی پکار غالب آئی اور آپؐ نے اسلام قبول کر لیا یہ واقعہ ۶۰ نبوی کا ہے اس کے چند دن بعد ہی حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ دعوت

اسلامی کی تاریخ میں یہ واقعہ بھی بہت ہی اہم ہے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام ۶۰ نبوی

اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت عمرؓ کا شمار ان لوگوں میں تھا جو اسلام کے شدید مخالف تھے۔ ایک طرف تو قریش کے بڑے لوگ داعی اسلام اور دعوت اسلامی کی مخالفت میں انتہائی شدت اختیار کرتے جاتے تھے، دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت یہ تھی کہ ان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے آپؐ کے دل میں انتہائی محبت کے جذبات ابھرتے تھے ابو جہل اور عمر دونوں آپؐ کی دشمنی میں بہت سخت تھے لیکن جب دعوت و تبلیغ کی ساری کوششیں ان پر کارگر نہ ہو میں تو اس رحمتِ عالم نے ایک بار باری تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ ”خداوند! ابو جہل اور عمر میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو معزز فرمائی۔ اس دعا کے چند روز بعد ہی حضرت عمرؓ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے:-

خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے کے خیال سے گھر سے نکلا: آپؐ مسجدِ حرام کو جاری ہے تھے، آپؐ بڑھ کر مسجد میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ میں سننے کھڑا ہو گیا آپؐ نے سورہ الحاقۃ کی قراءت فرمائی۔ میں اس کلام کو سن کر حیرت میں تھا۔ کلام کا نظم اور انداز نہایت دلکش معلوم ہوتا تھا میرے دل میں خیال آیا کہ خدا کی قسم یہ شاعر ہے، ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی:-

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ۝ فَلِيَلَا مَأْتُوْ مِنْهُنُونَ۝ (الحاقة: ۳۰)

”یہ ایک بزرگ، قادر کا کام ہے اور یہ شاعری کا کلام نہیں (لیکن) تم میں سے کم ہی ایمان لاتے ہیں“

میں نے جو سناتو فوراً دل میں خیال آیا کہ او ہو! یہ تو میرے دل کی بات جان گیا ہے یہ کا ہن ہے، اسی کے بعد ہی آپؐ نے یہ آیت پڑھی:-

وَلَا يَسْقُوْلُ كَاهِنٍ۝ طَفْلِيَلَا مَائِذَگُرُونَ۝ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ

الْعَالَمِينَ۝ (اطاف: ۳۲، ۳۳)

”یہ کا ہن کا کلام بھی نہیں ہے، تم بہت کم فصیحت پاتے ہو یہ تو جہانوں کے رب کی طرف سے اتراء ہے۔“

آپ نے یہ سورت آخر تک پڑھی اور میں نے محسوس کیا کہ اسلام میرے دل میں گھر کر رہا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ ایک مستھل مزاج اور پختہ کار آدمی تھے اس لیے اس موقعہ میں تغیر پورا نہیں ہوا اور وہ اپنی روٹ پر چلتے رہے یہاں تک کہ ایک دن دشمنی کے جوش میں تکوار لے کر اس ارادے سے گھر سے نکلے کہ آج (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہی تمام کر دیں راستے میں اتفاق سے نعیم بن عبد اللہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا ”کیوں کدھر جا رہے ہو؟“ بولے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں، انہوں نے کہا ”پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہارے بہن اور بہنوی اسلام لاچکے ہیں،“ یہ سن کر فوراً پڑھنے اور سیدھے بہن کے گھر آئے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کو آتا دیکھ کر خاموش ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے لیکن حضرت عمرؓ سن پکھے تھے کہ یہ کچھ پڑھ رہی تھیں پوچھا کہ کیا پڑھ رہی تھیں؟ اور یہ کہہ کر کہ تم دونوں باپ دادا کے دین سے خارج ہو گئے ہو، اپنے بہنوی کو مارنے لگے اور جب بہن آڑے آئیں تو ان کی بھی خبری۔ یہاں تک کہ دونوں لہو لہاں ہو گئے لیکن جب ان دونوں نے صاف صاف کہا کہ ہم اسلام قبول کر پکے ہیں اور اب تمہاری کوئی سختی ہمیں اس راستے سے ہٹانہیں سکتی تو ان کے اس پختہ ارادے کو دیکھ کر حضرت عمر پر کچھ اثر ہوا اور بولے ”اچھا ہو مجھے بھی سناؤ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟“ آپ کی بہن فاطمہ نے قرآن شروع کیا اور جب اس آیت پر پہنچے:-

إِنَّمَا أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاغْبُذْنِي وَ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي. (طہ: ۱۲)

”میں ہوں خدا، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تو بندگی میری کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔“

تو یہ اثر ہوا کہ فوراً پکارا تھے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بدانہ ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم کے مکان میں ظہرے ہوئے تھے۔ دروازے پر پہنچ تو چونکہ تکوار ہاتھ میں تھی، صحابہؓ کو تردہ دھوا

لیکن حضرت حمزہ نے فرمایا کہ ”آنے دو اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تکوار سے اس کا سراز ادؤں گا۔“ حضرت عمرؓ نے اندر قدر م رکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر ان کا دامن پکڑا اور فرمایا کیوں عمر کس ارادے سے آئے ہو؟“ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ پر ایک رعب سا طاری ہو گیا اور نہایت عاجزی سے بولے ”ایمان لانے کے لیے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ پکارا ”اللہ اکبر“ اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے نعرہ محجیر بلند کیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد اسلامی جماعت کی قوت میں کافی اضافہ ہو گیا یہاں تک کہ مسلمان ابھی تک اپنے مذہبی فرائض علانية ادا نہیں کر سکتے تھے اور کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تو ممکن نہ تھا حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد حالت بدل گئی۔ انہوں نے علانية اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اگرچہ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا لیکن بالآخر مسلمانوں نے حرم کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی اور اب ان کی جماعت مقابلۃ زیادہ قوی جماعت ہو گئی اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت اس درجہ ظاہر ہوئی کہ آج چودہ سو برس گزرنے کے بعد بھی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو جوزت و سر بلندی عطا فرمائی اس کی کوئی دوسری نظر نہیں ہے۔

شعب ابی طالب میں قیدے نبوی

اسلامی دعوت کی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھ کر قریش کے سردار برابر بیچ و تاب کھا رہے تھے اور آئے دن اس تحریک کو دبانے کے لیے نت نئی تدبیریں سوچا کرتے تھے چنانچہ اب انہوں نے ایک پال یہ چلی کہ تمام قبیلوں نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے خاندان نبی ہاشم سے نہ قرابت کرے گا، نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا اور نہ ان کو کھانے پینے کا کوئی سامان دے گا، جب تک کہ وہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے ہوالے نہ کریں یہ معاہدہ لکھ کر کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

اب بنی ہاشم کے لیے دو ہی راستے تھے یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے
حوالے کر دیں یا پھر اس معاشرتی اور معاشرتی بائیکاٹ کی وجہ سے جو مصیبتوں آئیں، انہیں
جھینٹنے کے لیے تیار ہو جائیں، چنانچہ ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنی ہاشم کے ساتھ پہاڑ
کے ایک درزہ میں مقیم ہو گئے جو موروٹی طور پر بنی ہاشم کی ملک تھا۔

اس درے میں ان لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۳ سال تک بڑی سخت
زندگی بسر کرنا پڑی۔ یہاں یہ لوگ بسا اوقات پیڑوں کے پتے کھا کھا کر وقت گزارتے
تھے۔ انتہایہ کہ لوگ بھوک کی شدت سے سوکھا ہوا چڑا تک ابال کر کھا گئے۔ بچے جب بھوک
سے بلکتے تھے تو قریش کے سخت دل ظالم من سن کر خوش ہوتے تھے۔ کبھی کسی رحم دل کو ترس آ
جاتا تو چھپا کر کچھ کھانے کو بھیج دیتا۔

جب مسلسل تین سال تک بنی ہاشم نے استقامت کا ثبوت دیا تو پھر آخر ظالموں کے
دل میں ہی اللہ تعالیٰ نے رحم پیدا فرمایا اور خود ان ہی کی طرف سے معاهدے کے توڑنے کی
تحریک شروع ہوئی اور یکے بعد دیگرے لوگوں کے دل نرم ہوتے گئے۔ ابو جہل اور اس کے
خیال کے لوگ تو اڑے رہے لیکن آخر کار ان لوگوں کی زیادہ نہ چل سکی اور تقریباً ۱۰ نبوی
میں یہ لوگ درے سے نکال لیے گئے۔

دعوت کی رفتار

جیسا کہ پہلے کہا جا پکا ہے ملکی دور کی جدوجہد کی تفصیلات تاریخ اور سیر کی کتابیوں
میں بہت ہی کم ملتی ہیں۔ چنانچہ اس معاشرتی اور معاشرتی مقاطعہ کی درمیانی مدت و تحریک کا
کام کس طرح ہوتا رہا۔ اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے اس بارے میں بھی کچھ
تفصیلات نہیں ملتیں۔ البتہ نزولِ قرآن برابر ہوتا رہا اور اس دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں
ان کے مضامین اور ہدایت تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ تحریک کو
اس زمانے میں کن کن حالات سے دوچار ہونا پڑا ہو گا۔

اس طویل اور شدید کشکش کے دوران اللہ تعالیٰ نے جو خطبے نازل کیے وہ انتہائی پر
جوش اور پرتاشیر ہیں۔ ان میں اہل ایمان کو ان کے فرائض بتائے گئے اور ان پر کاربندر بنے

کی ہدایت کی گئی ان کے شخصی کردار کو اونچے سے اونچے معیار پر لے جانے کی صورت میں بتائی گئی۔ تقویٰ کی مشق کرنے اور اس صفت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے پر انہائی زور دیا گیا۔ اخلاق کی بلندی اور عادات کی تربیت دی گئی دینِ حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے۔ سخت اور ناگوار حالات میں صبر پر قائم رہنے کی بار بار تاکید کی گئی۔ کامیابی کے وعدے اور جنت کی خوشخبریاں دے کر ان کی ہمت بندھائی گئی۔ دین کی کٹھن راہ میں ثابت قدم رہنے اور ہمت کے ساتھ اللہ کی راہ میں مسلسل جدوجہد کرنے پر ابھارا گیا اور ان کے اندر جاں نثاری اور قربانی کا ایسا جوش پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت کو تجمل لینے اور ہر سختی کو برداشت کر لینے کے قابل ہو گئے۔

دوسری طرف مخالفین اور اللہ کے دین سے منہ موزنے والوں کو ان کے برے انجام سے برابر ڈرایا جا رہا تھا۔ انہیں ان قوموں کے عبرت ناک واقعات نائے جا رہے تھے جنہوں نے ان سے پہلے غفلت اور انکار کی روشن اختیار کی اور نتیجے میں ہلاک ہوئے یہ تمام واقعات وہی تھے جن سے عرب والے خود واقف تھے۔ ان کو ان بجاہ شدہ بستیوں کے کھنڈروں کی طرف توجہ دلائی گئی جن پر سے ہو کروہ رات دن گزر اکرتے تھے پھر ان کے سامنے توحید اور آخرت کی دلیلیں ان کھلی کھلی نشانیوں سے دی گئیں، جو وہ رات دن زمین اور آسمان میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، شرک کی برا بیاں واضح کی گئیں، خدا کے مقابلے میں بغاوت کی روشن کو اختیار کرنے کے نتائج سے باہر کیا گیا۔ آخرت کا انکار کر دینے سے زندگی میں جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے اس کو کھول کھول کر سمجھایا گیا باپ دادا کی اندھی تقلید سے انسانیت کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کی نشان دہی کی گئی اور یہ سب باتیں ایسی دلیلوں کے ساتھ بیان کی گئیں جن پر غور کرنے سے بات دل میں اتر جائے۔

مخالفین اور منکرین جو اعتراضات کرتے تھے ان کے معقول جواب دیے گئے وہ جو شبہات پیش کرتے تھے ان کو دور کیا گیا۔ غرض کہ ان تمام انجمنوں کو صاف کیا گیا جن میں وہ خود گرفتار تھے یا دوسروں کو الجھایا کرتے تھے لیکن اس پوری مدت میں مخالفت اور دشمنی برابر بڑھتی ہی گئی۔

منظالم اور مصائب کی انتہا

جب آپ شعب ابن طالب سے باہر آئے اور قریش کے مظالم سے چند دن کے لیے کچھ امان ملی تو اس کے تھوڑے ہی دن بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اور کچھ ہی دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی رحلت فرمائی۔ اس سال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غم کا سال فرمایا کرتے تھے۔ ان دونوں ہستیوں کے انتقال کرنے کے بعد قریش کی مخالفت اور ایذ ارسانی میں بھی شدت ہو گئی اور یہی وہ زمانہ ہے جو تحریکِ اسلامی کے لیے سب سے زیادہ سخت زمانہ تھا۔ اب قریش نے مسلمانوں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی بے رحمی اور بے باکی سے ستانا شروع کر دیا۔

مکے سے باہر بیٹھ

مکے والوں میں سے جو بہترین آدمی تھے۔ وہ تقریباً سب تجھٹ کر اسلامی جماعت میں آچکے تھے۔ چنانچہ اب دائیٰ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے باہر جا کر اللہ کا پیغام پہنچانے کا فیصلہ فرمایا۔ اسی پروگرام کے تحت آپ طائف بھی تشریف لے گئے طائف میں بڑے بڑے امراء اور بااثر لوگ رہتے تھے۔ آپ اسلام کی دعوت لے کر ان لوگوں کے پاس بھی تشریف لے گئے لیکن جیسا کہ دولت اور اقتدار اکثر قبول حق کی راہ میں رکاوٹ ہی رہا ہے یہاں بھی معاملہ پیش آیا۔ ایک سردار نے کہا ”کیا خدا کو تیرے سوا کوئی ملا ہی نہیں جو اسے اپنا رسول بناتا“ دوسرے صاحب بو لے ”میں تو تجھ سے بات نہیں کر سکتا اگر تو سچا ہے تو تجھ سے بات کرنا خلاف ادب ہے اور اگر جھوٹا ہے (نعوذ باللہ) تو منہ لگانے کے قابل نہیں“ غرض ان بڑوں نے بات یوں ہی چھبیسوں میں اڑا دی اور اتنا ہی نہیں بلکہ شہر کے

غندوں اور بد معاشوں کو ابھار دیا جنہوں نے سر بازار رسول اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا اور پھر مارے اس موقع پر آپ اتنے زخمی ہو گئے کہ جسم مبارک سے جونون بہا تو جو توں میں بھر گیا مگر ظالم برابر پھر مارتے اور گالیاں دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے ایک باغ میں جا کر پناہی۔

کسی مخالف شہر میں اس طرح تہا جا کر تبلیغ کا فرض ادا کرنا اور جان جو کھم میں ڈال کر اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا کس درجہ ہمت اور جرأت کا کام ہے، اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور اس پر انتہائی توکل کی ایک بلند ترین مثال ہے اور بعد کے آنے والوں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ (اسوہ)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ حج کے زمانے میں جب تمام ملک سے مختلف قبائل مکے میں آتے تو آپ ایک قبیلے کے پاس جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے اسی طرح عرب میں جن مقامات پر میلے لگتے تھے آپ وہاں بھی تشریف لے جاتے تھے اور ان مجمعوں سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرماتے تھے۔ ایسے موقعوں پر اکثر قریش کے سردار (خصوصاً ابو لهب) بھی ساتھ ہو لیتے اور جس مجمع میں آپ تقریر فرماتے وہ لوگوں سے کہتے ”دیکھو اس کی بات نہ سننایہ دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے“، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے موقعوں پر قرآن پاک کے کچھ حصے نہ آتے جو اپنے اثر کے لحاظ سے تیر بہدف ثابت ہوتے۔ ان کوں کر اکثر لوگوں کے دلوں میں اسلام گھر کر لیتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تبلیغی دورے اپنے نتائج اور اثر کے لحاظ سے انتہائی کامیاب رہے اور اب اسلام کی دعوت عرب میں اجنبی نہیں رہ گئی بلکہ دور دور دعوت کا تعارف ہو گیا جو لوگ فیصلہ کر کے اسلامی تحریک کے ساتھی بن گئے تھے انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں تبلیغ و دعوت کا کام شروع کر دیا تھا۔

لیلۃ الحج

اللہ تعالیٰ کی بیشتر مخلوقات میں سے جن بھی ایک مخلوق ہے جن بھی انسانوں کی طرح ارادہ اور اختیار کے مالک ہیں اور اسی بنیاد پر وہ بھی خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مکلف ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا ان کے

لیے بھی ضروری ہے اسی بنیاد پر ان میں بھی اچھے اور بے لوگ ہوتے ہیں۔

جنوں کے وجود کے بارے میں قدیم زمانے سے لوگوں میں قسم قسم کے خیالات موجود رہے ہیں عرب میں بھی جات کا بڑا جہ چا تھا ان کی پوچا ہوتی تھی، ان سے مدد اُنگی جاتی تھی عامل لوگ ان سے دوستی کا دعوے کرتے تھے اور قسم قسم کے افسانے ان کے بارے میں مشہور تھے غرض یہ کہ جس طرح اور ہزاروں دیویاں اور دیوتا خدائی میں شریک مانے جاتے تھے، اسی طرح جنات کو بھی خدائی میں شریک مانا جاتا تھا، اسلام نے ان تمام عقائد کی اصلاح کی اس نے بتایا کہ جن اللہ کی ایک مخلوق ضرور ہیں لیکن ان کو کسی طرح بھی خدائی میں کوئی دخل نہیں۔ نہ وہ اپنے اختیار سے کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ ان پر بھی اللہ کی بندگی فرض ہے ان میں بھی خدا کے فرماں بردار اور نافرمان ہوتے ہیں اور وہ بھی انسانوں کی طرح اپنے اچھے اور بے اعمال کی جزا یا سزا پائیں گے خدا کی قدرت کے مقابلے میں انسان کی طرح جن بھی مجبور اور لا چار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دین جواب اپنی آخری شکل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو مل رہا تھا، اس کی پیروی جس طرح انسانوں کے لیے ضروری تھی، اسی طرح جنوں کے لیے بھی ضروری تھی۔ چنانچہ ایک بار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تبلیغی دورے پر عرب کے ایک مشہور میلے عکاظ پر تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں ایک رات نخلہ کے مقام پر قیام ہوا صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ نماز میں مصروف تھے اور قرآن کی تلاوت فرمائے تھے کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت ادھر سے گزری، انہوں نے قرآن سنایا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن پاک میں سورہ احتفاف میں اس طرح ہے۔

”ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رخ کو اے پیغمبر تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن سنیں تو جب وہ آئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ”خاموش رہو“ اور جب قرآن ختم ہو گیا تو انہوں نے جا کر اپنی قوم کو متذہب کیا انہوں نے کہا ”ھائیو! ہم نے ایک کتاب نازل ہوئی ہیں یہ ان کی تصدیق کرتی ہے حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور سیدھی

راہ دکھاتی ہے بھائیو! اللہ کی طرف پکارنے والے کی بات مانو اور اللہ پر ایمان لاوتا کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے اور تم کو دودناک عذاب سے پناہ دے۔“
اس واقعہ کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ ہوا اور اس کی تفصیلات سورہ جن میں مذکور ہیں۔

مدینے میں اسلام سے نبوی

اسلام کی آواز جس طرح دور دور عرب کے دوسرے علاقوں میں پہنچ رہی تھی، اسی طرح مدینے میں بھی پہنچی۔ مدینے میں بہت قدیم زمانے سے یہودی بھی آکر آباد ہو گئے تھے انہوں نے مدینے کے قریب اپنے چھوٹے چھوٹے قلعے بنالیے تھے۔

اوہ خزر ج دو بھائی تھے، جن کا اصل وطن تو یمن تھا لیکن وہ کسی زمانے میں یمن سے آکر مدینے میں آباد ہو گئے تھے، انہی کی نسل سے وہاں دو بڑے بڑے خاندان ہو گئے جو اوہ خزر ج کہلاتے تھے یہی لوگ آگے چل کر انصار کے لقب سے پکارے گئے ان لوگوں نے بھی مدینہ اور اس کے ارد گرد کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنارکھے تھے یہ لوگ اعقلاء بت پرست تھے لیکن یہودیوں کے ساتھ میل جوں کی وجہ سے رسالت وحی کتب آسمانی اور آخرت کے عقیدوں سے آشنا ضرور تھے۔ چونکہ ان کے اپنے پاس ایسی کوئی چیز تھی نہیں اس لیے مذہب کے معاملے میں یہ لوگ یہودیوں سے کچھ مرعوب بھی تھے اور ان کی باتوں کو وزن دیتے تھے، ان لوگوں نے یہودی علماء سے یہ بھی سنا تھا کہ دینا میں ایک پیغمبر اور آنے والے ہیں جو کوئی ان کا ساتھ دے گا وہی کامیاب ہو گا اور یہ کہ اس پیغمبر کا ساتھ دینے والے ہی ساری دنیا پر چھا جائیں گے یہی معلومات تھیں جن کی بنی پرمدینہ والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کی طرف متوجہ ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانے میں آپ قبیلوں کے سرداروں کے پاس تشریف لے جاتے اور انہیں دعوت اسلامی سے روشناس کرتے۔ انبوی کا ذکر ہے کہ آپ نے مقام عقبہ کے پاس خاندان خزر ج کے چند لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی کچھ آیتیں سنائیں۔ یہ کلام سن کر ان کے دلوں پر اثر ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ

ہونہ ہو یہی وہ نبی ہیں جن کے بارے میں یہودی علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے ایک اور نبی تشریف لانے والے۔ ہیں ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا ”کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نبی پر ایمان لانے میں یہودی ہم سے اولیت میں بازی لے جائیں“ یہ کہہ کر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا یہ چھ آدمی تھے اس طرح مدینہ کے انصار میں اسلام کی ابتداء ہوئی اور وہ بستی جو آئندہ اسلامی تحریک کا مرکز بننے والی تھی اس میں اسلام کی روشنی کی ابتداء ہو گئی۔

مخالفت میں شدت

ہر تحریک کی توسع کے ساتھ ساتھ مخالفت اور کشکش بھی بڑھتی ہے۔ لیکن اسلامی تحریک کی توسع اپنے ساتھ مخالفت اور کشکش کا جو طوفان لاتی ہے وہ اس کے علمبرداروں کے لیے بہت سخت امتحان ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف توعوت اسلامی کا تعارف بڑھ رہا تھا اور دوسری طرف دائیٰ حق اور اس کے ساتھیوں کو سخت سے سخت حالات سے گزرنا پڑ رہا تھا قریش کے سرداروں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ستائیں کہ بالآخر مجبور ہو کروہ اسلام کی دعوت سے ہاتھ اٹھالیں۔ قریش کے بڑے بڑے سردار آپؐ کے ہمسایہ تھے اور یہی آپؐ کے سب سے بڑے دشمن تھے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کائنے بچھاتے نماز پڑھتے وقت انہی اڑاتے آپؐ سجدے میں ہوتے تو وہ اوجہزی لا کر گردن پڑاں دیتے، گلے میں چادر لپیٹ کر ایسی بے دردی سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں، لڑکوں کو پیچھے لگادیتے جو گالیاں دیتے ورثا لیاں پہنچتے، آپؐ کہیں کوئی وعظ فرماتے تو درمیان میں گڑ بڑ کرتے اور کہتے کہ یہ سب جھوٹ ہے، غرض یہ کہ ستانے اور پریشان کرنے کی جتنی مکروہ سے مکروہ صورتیں ممکن تھیں وہ سب کرتے۔

اس دور میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر جو کچھ وحی نازل فرمارہا تھا اس میں ان تمام حالات سے نہیں کے لیے سامان ہدایت موجود تھا۔ تحریک اسلامی کے علمبرداروں کو بتایا جا رہا تھا کہ اس وقت بظاہر حق جس مظلومیت کا شکار ہو رہا ہے، اسے کوئی مستقل چیز نہ کھھنا چاہیے دنیا کی زندگی میں اس طرح کے تماشے ہوتے ہی آئے ہیں اور یوں بھی کامیابی کا اصل معیار

دنیا کی زندگی نہیں بلکہ آخرت کی زندگی ہے اور یہ طے ہے کہ آخرت ان ہی لوگوں کی بہتر ہو

گی جو تقویٰ کی زندگی اختیار کریں گے۔

حضور اکرمؐ کو خطاب کر کر کے کہا جاتا کہ ”اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ ہے لیکن دراصل یہ لوگ حق کو جھٹلارہے ہیں، وہ تمہیں نہیں بلکہ ہمیں جھٹلارہے ہیں، اور یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ معاملہ کچھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے لیکن ان رسولوں نے ان حالات کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور ہر قسم کی مصیبتوں اور تکلیفوں کو جھیلا یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی تم بھی ایسے حالات سے گزر رہے ہو، ایسے حالات سے گزرننا ہی پڑے گا، انہیں بار بار مختلف انداز سے سمجھایا جا رہا تھا کہ حق اور باطل کی کش کش کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک مقررہ قانون ہے جس کو بدل ڈالنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس قانون کی رو سے یہ لازمی ہے کہ حق پرستوں کو ایک طویل مدت تک آزمایا جائے ان کے صبر، راست بازی، ایثار و فاداری، فدا کاری اور ایمان کی پختگی کا امتحان لیا جائے اور یہ اندازہ کیا جائے کہ وہ توکل علی اللہ اور ایمان باللہ میں کہاں تک مضبوط ہیں اسی کش کش کے دوران میں ان کے اندر وہ صفات پیدا ہوتی ہیں جو انہیں آگے چل کر اللہ کے دین کا علمبردار بننے میں مددیتی ہے جب یہ لوگ اس امتحان میں اپنے کو اہل ثابت کر دیتے ہیں تو پھر اللہ کی مدد ٹھیک اپنے وقت پر آتی ہے اس سے پہلے وہ کسی کے لائے نہیں آ سکتی۔

بیعت عقبہ اولیٰ ﷺ نبوی

دوسرے سال مدینے کے بارہ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بات کی خواہش کی کہ اسلام کی تعلیم کے لیے کوئی صاحب ان کے ساتھ بھیج دیے جائیں چنانچہ حضرت مصعب بن عميرؓ کو ان کے ساتھ مذینہ بھیج دیا گیا یہ مذینہ میں ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگوں کو قرآن مجید پڑھ کر نانتے اسلام کی دعوت دیتے اور اس طرح روزانہ ایک دو آدمی اسلام قبول کر لیتے رفتہ رفتہ اسلام مدینے سے باہر بھی پھیلنے لگا قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ نے بھی حضرت مصعبؓ

کے ہاتھ پر ہی اسلام قبول کیا ان کا اسلام قبول کرنا گویا قبیلہ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔

بیعت عقبہ ثانیہ ۱۲ نبوی

اگلے سال پہتر آدمی حج کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے چھپ کر عقبہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ہر قسم کے زم اور گرم حالات میں اسلامی تحریک کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ میں سے بارہ اشخاص منتخب فرمایا کہ انہیں نقیب (سردار) مقرر کیا ان میں سے نو قبیلہ خزر ج میں سے اور تین قبیلہ اوس میں سے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے جن باتوں کا اقرار لیا وہ یہ تھیں۔

- (۱) سوائے ایک خدا کے کسی دوسرے کی بندگی نہیں کریں گے۔
- (۲) چوری نہیں کریں گے۔
- (۳) زنا نہیں کریں گے۔
- (۴) اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
- (۵) کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے نہ کسی کی غیبت کریں گے۔
- (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جس اچھی بات (معروف) کا حکم دیں گے وہ اس سے منہ نہ موڑیں گے۔

بیعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ان شرائط کو پورا کرو گے تو تمہارے لیے جنت کی خوشخبری ہے نہیں تو تمہارا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے چاہے ہے تو تم کو معاف فرمادے اور چاہے تو تمہیں عذاب دے۔

جب یہ لوگ بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا "بھائیو! یہ بھی جانتے ہو کہ تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ سمجھو لو، یہ عرب اور عجم کے خلاف اعلان جنگ ہے" سب نے کہا کہ ہاں ہم یہ سب کچھ سمجھ کر بیعت کر رہے ہیں۔ اہل وفاد میں سے کچھ اور لوگوں نے بھی اسی قسم کی پر جوش تقریریں کیں اور اسی موقعہ پر مدینہ کے ان نو مسلموں اور آنحضرت میں یہ قول و قرار ہوا کہ اگر آنحضرت مکی وقت مدینہ تشریف لے آئیں تو مدینہ کے لوگ ہر عنوان مرتبے دم تک ان کا ساتھ دیں گے۔ اسی موقعہ پر حضرت براءؓ نے کہا "ہم لوگ تکواروں کی گود میں پلے ہیں"

مُجَزَّاتٍ اور مُعْرَاجٍ

شقاق	☆
معراج	☆
معراج کی اہمیت اور آئندہ کے لیے اشارے	☆
یہود کی معزولی	☆
کفار مکہ کو تنیہ	☆
اسلامی معاشرے کی بنیادیں	☆
ہجرت کے لیے اشارے	☆
نماز تہجد کی اہمیت	☆
اس دور میں دعوت کی خصوصیات	☆
توکل علی اللہ اور صبر	☆
قرآن ایک مجزہ ہے	☆
دونوں بات	☆
ہجرت کے لیے تیاری	☆

دین کی اصطلاح میں مججزہ اس بات کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعوے نبوت کو ثابت کرنے کے لیے دنیا والوں کے سامنے ظاہر فرمائے، اس کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ عام عادت کے خلاف ہو مثلاً آگ کا کام جلانا ہے لیکن وہ نہ جلانے مردہ جی اٹھے یا لکڑی سانپ بن جائے وغیرہ وغیرہ چونکہ دنیا میں ہر فعل کی اصل علت اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا ارادہ ہے، اسی لیے جس طرح کچھ کام مقررہ اصولوں کے ماتحت مسلسل ہوا کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت کچھ کام ان عادی اصولوں سے ہٹ کر کچھ دوسرے غیر عادی اصولوں کے ماتحت بھی ہو سکتے ہیں اور جب اللہ چاہتا ہے ہو جایا کرتے ہیں۔

اکثر انبیاء علیہم السلام کو ان کی ثبوت کے لیے مججزے عطا کیے گئے تھے لیکن یہ مججزات کافروں کے لیے ایمان لانے اور یقین کرنے کا سبب کم ہی ہوئے ہیں مججزات کا ظہور ایک قسم کا انتام جدت ہوتا ہے اسی لیے جب لوگوں نے مججزے دیکھنے کے بعد بھی نبی کا انکار ہی کیا تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے اور انہیں دنیا سے مٹا دیا گیا ہے قریش کے کفار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مججزے طلب کرتے تھے۔ ان کی یہ طلب برابر ثالی جارہی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ اگر لوگوں کے سامنے ان کی طلب کے جواب میں کوئی واضح مججزہ دکھادیا جائے تو پھر ان کے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں ایمان یا ہلاکت اللہ تعالیٰ کی مشیت کا فیصلہ ابھی ان لوگوں کے ہلاک کرنے کا نہیں تھا اس لیے ان کا یہ مطالبہ برابر ثالا جارہا تھا لیکن اب جب کہ تقریباً دس گیارہ سال مسلسل دعوت دیتے ہوئے گزر چکے تھے اور قوم کو سمجھانے کی حد ہو گئی تھی تو بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مولیین کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش کوئی نشانی اللہ کی طرف سے اسکی ظاہر ہو جاتی جسے دیکھ کر یہ لوگ ایمان لے آتے اور اسلام کی سچائی کے قائل ہو جاتے لیکن آپ کی اس خواہش کے جواب میں یہی کہا جارہا تھا کہ دیکھو بے صبری سے کام نہ لوجس

ترتیب اور جس ڈھنگ سے دعوت کا کام ہم چلوار ہے ہیں، اسے اسی طریقے سے صبر کے ساتھ انجام دیتے رہو مجذوب سے کام لینا ہوتا تو یہ کام بھی کا ہو چکا ہوتا ہم چاہتے تو ایک ایک کافر کے دل کو موم کر دیتے اور اس کو زبردستی ہدایت کے راستے پر چلا دیتے لیکن یہ ہمارا طریقہ نہیں ہے اس طرح نہ تو انسان کے ارادہ اور اختیار کا امتحان ہوتا ہے اور نہ وہ فکری اور اخلاقی انقلاب آتا ہے جس کی بنیاد پر ایک کامیاب معاشرہ بننا کرتا ہے تا ہم اگر لوگوں کے بے پرواہی اور ان کے انکار کی وجہ سے تم حالات کا مقابلہ صبر کے ساتھ نہیں کر سکتے تو جو تمہارا بس چلے وہ کراوز میں گھس کر یا آسمان پر چڑھ کر کوئی مجذہ لے آؤ۔ (الانعام: ۲۵)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجذبات عطا نہیں ہوئے آپ کا سب سے بڑا مجذہ تو خود قرآن مجید ہے جس کے بارے میں تفصیل آئندہ صفحات میں اپنے موقع پر آئے گی۔ اس کے علاوہ مناسب موقعوں پر آپ کی ذات سے بے شمار مجذبات کا ظہور ہوا ہے ان میں سے چاند کا دوٹکڑے ہو جانا (شق القمر) اور آپ کا آسمانوں کی سیر کے لیے تشریف لے جانا (معراج) بہت اہم ہیں ان کے علاوہ بہت سی پیش گویاں آپ کی دعا سے پانی کا برنا، لوگوں کا ہدایت یا بہونا، ضرورت کے وقت تھوڑی سی چیز کا بہت ہو جانا، مریضوں کا اچھا ہو جانا، پانی جاری ہو جانا وغیرہ وغیرہ بے شمار مجذبات ہیں جن کا ظہور اپنے اپنے وقت پر ہوا ہے۔

شق القمر

کفار مکہ پر اتمام جحت کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجذبات میں سے چاند کا دوٹکڑے ہو جانا، ایک بہت اہم مجذہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اس واقعہ کی روایت کی ہے جو صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں مذکور ہے وہ اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دوٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں ”ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں میں نہیں کہ چاند دوٹکڑے ہو گیا اور اس کا ایک نکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ آپ نے فرمایا ”گواہ رہو“ لیکن جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، یہ ضروری نہیں کہ مجذہ دیکھنے کے بعد کفار ایمان لے ہی آئیں بلکہ ہوتا ہی ہے کہ مجذہ وہی

لوگ طلب کرتے ہیں۔ جن کے دلوں میں انکار اور ہست دھری کوٹ کر بھری ہوتی ہے اور اس طرح وہ انکار کے لیے حلیے بہانے تلاش کرتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور جو غراض اور مادی مفادات کے پھندوں میں جکڑے ہوئے نہیں ہوتے ان کو تو رسولؐ کی ذات اور اس کی تعلیمات ہی سب سے بڑھ کر مجذہ دکھائی دیتی ہیں اور وہ حق کے قبول کرنے میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے ہیں چنانچہ چاند کے پھٹ جانے کے بعد بھی کفار نے یہی کہا کہ ”اے یہ تو جادو کے زور سے ایسے کام ہوتے ہی آئے ہیں“، اس طرح ان لوگوں کو ہدایت تونہ ہوئی البتہ ان کے جرموں کی فہرست میں ایک اہم جرم اور بڑھ گیا کہ انہوں نے ایسی کھلی ہوئی نشانی کے بعد بھی اللہ کے رسولؐ کو جھوٹا سمجھا۔

معراج

معراج کے معنی اور چڑھنے کے ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک آسمانی سفر کے بارے میں یہ لفظ استعمال فرمایا ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کو جو آپ نے آسمانوں کا کیا معراج کہتے ہیں اس کا دوسرا نام اسراء بھی ہے۔ اسراء راتوں رات سفر کرنے کو کہتے ہیں چونکہ یہ سفر راتوں رات ہوا تھا اس لیے اسے اسراء بھی کہتے ہیں قرآن پاک میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کی جو خدمات انجام دینا ہوتی ہیں ان کے لیے جس درجہ پختہ ایمان اور یقین کی ضرورت ہے اس کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ جن ان دیکھی حقیقوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، انہیں وہ کم سے کم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کیونکہ انہیں دنیا کے سامنے پوری قوت اور زور سے یہ بات کہنا ہوتی ہے کہ تم محض گمان اور قیاس پر ایک چیز کا انکار کر رہے ہو حالانکہ ہم آنکھوں دیکھی حقیقت بیان کر رہے ہیں۔ تمہارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم، اس لیے اکثر انبیاء علیہم السلام کے سامنے فرشتے ظاہر ہوئے ہیں، ان کو آسمان اور زمین کی حکومت کا مشاہدہ کرایا گیا ہے، دوزخ اور جنت ان کو آنکھوں سے دکھادی گئی ہے اور مرنے کے بعد انسان پر جو حالات

گزرتے ہیں وہ ان کو اسی زندگی میں دکھادیے گئے ہیں معراج یا اسراء بھی اسی قسم کے واقعات میں سے آیے واقعہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ حقیقتیں دکھادی گئیں جن پر ایک مومن ایمان بالغیب لاتا ہے۔

معراج کا واقعہ کس تاریخ کو پیش آیا اس بارے میں تو روایات مختلف ہیں البتہ تمام روایات کو سامنے رکھنے کے بعد تاریخ لکھنے والوں نے جس بات کو ترجیح دی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ۴۰ یا ۵۰ سال پہلے کا ہے اس واقعہ کے بارے میں امام بخاری اور مسلم کی روایات کو سامنے رکھنے کے بعد جو مجموعی تفصیل سامنے آتی ہے وہ یہ ہے:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح کو ارشاد فرمایا کہ گزشتہ رات میرے رب نے مجھے بڑی عزت بخشی، میں سورہ تھا کہ جبریل نے آکر مجھے جگایا اور مجھے حرم کعبہ میں اٹھا لائے، یہاں لا کر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اسے زمزم کے پانی سے دھویا (زمزم کعبہ میں ایک متبرک کنوں ہے) پھر اسے ایمان اور حکمت سے بھر کر بند کر دیا اس کے بعد انہوں نے میری سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا جو خمر سے کچھ چھوٹا اور سفید رنگ کا تھا اس کا نام براق تھا یہ بہت تیز رفتار تھا میں اس پر سوار ہوا ہی تھا کہ اچاک ہم بیت المقدس جا پہنچ یہاں براق مسجد کے دروازے پر باندھ دیا گیا اور میں مسجد القصی میں داخل ہوا وورکعت نماز پڑھی اب جبریل نے میرے سامنے دو پیالے پیش کیے ایک شراب سے اور دوسرا دودھ سے بھرا ہوا تھا میں نے دودھ کا پیالہ قبول کر لیا اور شراب کا واپس کر دیا جبریل نے یہ دیکھ کر کہا کہ آپ نے دودھ کا پیالہ قبول کر کے دین فطرت کو اختیار کیا۔

اس کے بعد آسمان کا سفر شروع ہوا جب ہم پہلے آسمان (آسمان دینا) تک پہنچ تو جبریل نے نگہبان فرشتے سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبریل نے کہا ”یہ محمد ہیں“ فرشتے نے پھر پوچھا ”کیا یہ بلائے گئے ہیں؟“ جبریل نے کہا ”ہاں بلائے گئے ہیں“ یہ سن کر فرشتے نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا ”ایسی ہستی کا آنا مبارک ہو“ جب ہم اندر داخل ہوئے تو حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے مجھ سے کہا ”یہ آپ کے والد (نسل انسانی کے مورث اعلیٰ) آدم، ہیں آپ ان کو سلام

کیجیے، میں نے سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "خوش آمدید، اے صالح بیٹھے! اور اے صالح بنی" اس کے بعد دوسرے آسمان تک پہنچے اور پہلے آسمان کی طرح جواب و سوال کے بعد دروازہ کھلا اور ہم اندر گئے تو وہاں تکہی اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل نے ان سے تعارف کرایا اور کہا "آپ سلام کیجیے" میں نے سلام کیا دونوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا خوش آمدید اے صالح بھائی اور اے صالح بنی" پھر تیرے آسمان تک اسی طرح پہنچے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور پہلے کی طرح سلام و جواب ہوا چوتھے آسمان پر حضرت اور لیس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی سلام کے جواب میں فرمایا "خوش آمدید اے صالح بیٹھے اور اے صالح بنی" پھر مجھے سدرۃ النشیٰ تک پہنچایا گیا یہ ایک سیری کا پیڑ ہے انتہا پر اس پر بے شمار ملائکہ جگنو کی طرح چمک رہے تھے۔

یہاں آپ نے بہت سی حقیقوں کا مشاہدہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام بھی ہوئے اللہ تعالیٰ نے رات دن میں پچاس وقت کی نمازیں آپ کی امت کے لیے فرض کیں جب آپ ان مشاہدات سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو پھر حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا "کہو بارگاہ خداوندی سے کیا تحفہ لائے؟" فرمایا "دن رات میں پچاس نمازیں" انہوں نے فرمایا "آپ کی امت اس بار کونہ انھا سکے گی اس لیے واپس جائیے اور انہیں کم کرائیے" چنانچہ آنحضرت واپس تشریف لے گئے اور کمی کی درخواست کی وہاں سے ایک حصہ کم کر دیا گیا لیکن حضرت موسیٰ نے آپ کو بار بار بھیجا اور بار بار کمی کرائی آخر میں یہ تعداد گھستے گھستے پانچ رہ گئی اس پر بھی اگرچہ موسیٰ علیہ السلام مطمئن نہیں تھے اور مزید کمی کرانے کو کہتے تھے لیکن اب آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے مزید کچھ کہتے شرم آتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی کہ اگرچہ ہم نے نمازوں کی تعداد پچاس سے گھٹا کر پانچ کر دی ہے لیکن تمہاری امت میں جو لوگ پابندی سے روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کریں گے انہیں اجر پچاس نمازوں کا ہی دیا جائے گا۔

نماز کے علاوہ اس موقع پر بارگاہ الٰہی سے دو تخفیف اور بھی مرحمت ہوئے، ایک تو سورہ بقر کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقاید اور ایمان کی تمجید کا بیان ہے اور یہ بشارت ہے کہ اب مصیبتوں کا دور ختم ہونے والا ہے، دوسرے یہ خوش خبری کہ امّت محمدی میں سے جو شرک سے بچا رہے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

اس سفر میں آپ نے جنت اور دوزخ کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مرنے کے بعد اعمال کے لحاظ سے جس جسم قسم کے حالات سے لوگوں کو گزرنا ہوتا ہے اس کے بھی چند مناظر آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔

آسمانوں سے واپس ہونے کے بعد جب آپ بیت المقدس تشریف لائے تو دیکھا یہاں انبیاء علیہم السلام کا مجتمع ہے آپ نے نماز پڑھائی اور سب نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی اس کے بعد آپ اپنے مقام پر واپس تشریف لے آئے اور صبح کو اسی مقام سے بیدر ہوئے۔

معراج کی اہمیت اور آئندہ کیلئے اشارے

صبح کو جب آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو کفار قریش میں جو لوگ مخالف تھے، انہوں نے آپ کو جھوٹا کہا (نحوذ باللہ) اور جن لوگوں کے دلوں میں آپ کی سچائی اور صداقت کا یقین تھا انہوں نے حرف حرف کی تصدیق کی اور کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو یہ سب درست ہی ہیں۔ اس طرح معراج کا یہ واقعہ ایک طرف تو لوگوں کے ایمان اور رسالت کی تصدیق کا امتحان تھا دوسری طرف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی بے شمار حقیقوں کے مشاہدے کا ذریعہ، ساتھ ہی ساتھ یہ اس آنے والے انقلاب کے لئے ایک اشارہ تھا جس سے اسلامی تحریک کو جلد ہی دو چار ہونا تھا اس اشارے کی تفصیلات قرآن پاک کی سورہ بنی اسرائیل میں ملتی ہیں، جس میں معراج کا بیان ہے اس سورہ کے مضمومین میں جو کھلے کھلے اشارے ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

یہود کی معزوں ولی

بنی اسرائیل اب تک اللہ کے دین کے وارث تھے اور اس خدمت پر مأمور کہ وہ دنیا کو

خدا تعالیٰ پیغام (اسلام) سے روشناس کرائیں۔ لیکن انہوں نے اس خدمت کو انجام نہیں دیا بلکہ خود بے شمار برائیوں کا شکار ہو گئے اور اس قابل نہ رہے کہ اللہ کے دین کی خدمت بجا لاسکیں۔ لہذا اب یہ خدمت بنی اسرائیل کو سپرد کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خاندان میں مبعوث کیا گیا اب تک بنی اسرائیل سے براہ راست خطاب نہیں کیا گیا تھا اب سورۃ بنی اسرائیل میں ان سے کہا گیا کہ اب تک جو غلطیاں تم کر چکے سو کر چکے۔ تم کو اب سے پہلے دوبار آزمایا جا چکا ہے لیکن تم نے اپنی حالت کو ٹھیک نہیں کیا اب اس بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد پھر تمہیں موقعہ عمل رہا ہے۔ اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو پھر ترقی کی راہ پر قدم بڑھا سکو گے کیونکہ انتہائی مظلومانہ اور پریشانی سے بھری ہوئی زندگی میں یہ اشارہ ایک بہت بڑی بشارت تھی، جو آگے چل کر بالکل ٹھیک ثابت ہوئی۔

کفار مکہ کو تنی پہم

کفار مکہ کے مظالم اور ان کی ہٹ دھرمی کی انتہا ہو چکی تھی اور وہ بار بار کہتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہیں تو ہمارے انکار کرنے پر ہم پر وہ عذاب کیوں نہیں آتا جس سے یہ ہمیں ڈارے ہیں۔ اس کے جواب میں انہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب تک کسی قوم میں اللہ کا رسول نہ آئے، اس وقت تک اس پر عذاب نہیں آتا جب اللہ کا رسول آتا ہے تو قوم کے دولت مند اور اونچے طبقے کے لوگ اس کی دعوت حق کی جڑ کا شے کے لئے کمر باندھ لیتے ہیں اور قوم کے عام لوگ ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں سوائے کچھ ایسے لوگوں کے جن میں حق کے قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور جو آگے بڑھ کر حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس وقت ان دونوں گروہوں میں کشکش شروع ہو جاتی ہے اور پھر اللہ کی مدد آتی ہے اس مدد کا ایک وقت معین ہوتا ہے البتہ انسان چونکہ جلد باز واقع ہوا ہے اس لیے وہ کبھی ایسی چیز کو بھی خیر کجھ کر طلب کرنے لگتا ہے جو دراصل اس کے لیے خیر نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے شر ہوتی ہے اور اسے یہ دھیان نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کے سارے کام اپنے اپنے اوقات کے اعتبار سے بندھے ہوئے ہیں دن اور رات کو ہی دیکھیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور ایک لگے بندھے نظام کے تحت یکے بعد دیگرے آتے ہیں پچھلی تاریخ پر نظر

کر دیکھو نوح علیہ السلام کے بعد سے لے کر اس وقت تک کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا گیا
خدا اپنے بندوں کے حالی سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور انہیں ان کے استحقاق کے اعتبار
سے بدل دیا کرتا ہے لہذا اکفارِ مکہ کو بھی یہ بات سمجھ لئی چاہیے کہ اب وہ جورویہ اللہ کے رسول
کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کریں گے اسی کے اعتبار سے ان کے ساتھ بھی معاملہ کیا
جائے گا اور اب فیصلہ کن وقت قریب ہی ہے۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد میں

اب وہ وقت آچکا تھا جب اسلام کا درمظلومیت ختم ہونے والا تھا اور جلد ہی ایک
ایسے معاشرے (سماج) کی تشكیل ہونے والی تھی جس کی بنیاد میں اسلامی اصولوں پر ہوں
چنانچہ اس اسلامی نظام زندگی کے لیے بنیادی اصولوں کا تحفہ بھی اسی سوراج کے واقعہ کے
ساتھ متعلق کیا گیا۔ یہی بنیادی اصول آئندہ اسلامی نظام زندگی کے لیے رہنماء اصولوں کی
حیثیت سے کام آئے وہ اصول یہ تھے:-

(۱) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اللہ نہ بنایا جائے عبادت بندگی اطاعت اور فرمان
روائی کے حقوق میں کسی کو اس کا ساتھی نہ ٹھہرایا جائے۔

(۲) ماں باپ کی عزت اور اطاعت کی جائے (البتہ جہاں ان کی اطاعت خدا کی
اطاعت سے ٹکرائے وہاں ان کی اطاعت نہ کی جائے)

(۳) رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کیے جائیں۔ سوسائٹی میں ایک
انسان پر دوسرے انسان کے حقوق ہیں ان کی طرف سے غفلت نہ بر تی جائے انہیں ٹھیک
ٹھیک ادا کیا جائے، اس کے بغیر کسی تمدن کی بنیاد درست نہیں ہو سکتی۔

(۴) فضول خرچی نہ کی جائے، خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو غلط طریقے پر صرف کرنا
شیطانی کام ہے، جس سوسائٹی میں لوگ اندھا دھن صرف کرنے لگیں یا بالکل ہاتھ سکیر کر مایا
کے ساتھ بن بیٹھیں، وہ کبھی خوش حال نہیں ہو سکتی، مال کے صرف کرنے اور روک کر رکھنے
میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔

(۵) مغلی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ اصل میں روزی پہنچانا خدا کا کام ہے اور وہ

اس کا انتظام کرتا ہے تم اس اندیشے سے کہ کل کیا کھائیں گے اپنی نسلوں کو ختم نہ کرو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور سوسائٹی کے لیے خود کشی کے ہم معنی ہے۔

(۶) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ صرف یہی نہیں کہ اس گندے کام سے بچتے رہو بلکہ ان تمام محركات کو بھی ختم کرو جو اس ناپاک کام پر اکساتے ہیں جو سوسائٹی اس لعنت سے پاک نہ ہوگی وہ خود اپنی جڑ کاٹے گی اور بہت جلد تباہی سے دوچار ہوگی۔

(۷) ناحق کسی کی جان نہ مارو۔ جس سوسائٹی میں لوگوں کی جان محفوظ نہ ہو وہ کبھی خوش حال نہیں ہو سکتی امن کی حالت کے بغیر کوئی تمدن ترقی نہیں کر سکتا اس لیے سب سے پہلے لوگوں کے جان اور مال کے تحفظ کا انتظام ضروری ہے۔

(۸) بیتیم سے بہتر سلوک کرو، کمزور اور ایسے لوگ جو اپنے حقوق کی حفاظت خود نہیں کر سکتے امداد کے مستحق ہیں۔ جس سوسائٹی میں ایسے کمزوروں کے حقوق کا تحفظ نہ ہو وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

(۹) اپنا عہد پورا کرو عہد کے بارے میں پوچھ چکھ ہو گی یہاں لوگوں کے آپس کے قول و قرار اور وعدے بھی مراد ہیں اور عہد بھی مراد ہے جو ایک بندہ موسُن ایمان لاتے وقت اپنے خدا سے کرتا ہے۔

(۱۰) ناپ تول میں پیانے اور ترازو کو ٹھیک رکھو لین دین میں معاملات کی درستی اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ سوسائٹی کے امن و سکون کے لیے انتہائی ضروری ہے جہاں لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ ہو اور بالعموم لوگ دوسروں کے حقوق غصب کرنے کے در پے ہوں وہاں کبھی باہمی اعتماد اور خوش گواری کی فضای پیدا نہیں ہو سکتی۔

(۱۱) جس بات کا علم نہ ہواں کے پیچھے نہ پڑو بغیر کسی علم کے نامعلوم باتوں کی کریڈا اور بلا وجہ گمان اور تخيیلوں پر رائے قائم کر لینے سے معاملات ہمیشہ خراب ہوتے ہیں ہر بہتر سوسائٹی کو اس عیب سے پاک ہونا چاہیے اور انسان کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے کان آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہو گی۔

(۱۲) زمین پر مغرب و بن کرنے چلو گھمنڈ اور تکبر انسان کو بدترین اخلاق قبول کرنے پر

ابھارتا ہے اور اس عیب کی وجہ سے انسان سوسائٹی کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوتا ہے باہمی تعلقات کی خوش گواری کے لئے ضروری ہے کہ لوگ دوسرے لوگوں کو اپنے مقابلے میں ذلیل اور کم درجہ نہ سمجھیں اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک نہ کریں۔

ہجرت کے لیے اشارے

اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب وہ کسی قوم میں اپنا رسول بھیجا ہے تو ایک عرصہ تک لوگوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ رسول کی دعوت کو سنیں سمجھیں اور قبول کریں اس دعوت کے نتیجے میں کچھ لوگ تو اسے قبول کر لیتے ہیں اور زیادہ تر لوگ جو مادی اغراض باپ دادا کی اندھی تقلید اور نفس کی خواہشات میں پھنسے ہوتے ہیں وہ اس دعوت کو رد کر دیتے ہیں اور اس کی مخالفت پر کربراندھ لیتے ہیں آخر کار ایک وقت وہ آتا ہے جب یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ قوم میں جو لوگ صلاحیت رکھتے تھے انہوں نے دعوت کو قبول کر لیا اور اب اس میں ایسے لوگ باقی نہیں رہ گئے جو اس دعوت پر کان دھریں اور اس پر غور کریں۔

ایسے مرطع پر قوم نبی سے مجزے بھی طلب کرتی ہے اور اکثر اس قوم کے سامنے مجزے پیش بھی کر دیے جاتے ہیں چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس دور میں مجزے طلب کیے گئے اور آپ کی ذات سے مجزوں کا ظہور ہوا لیکن جب اس سب کے باوجود انکار نہ کرنے والے انکار پر قائم رہے تو یہ فیصلہ ہو گیا کہ اب نبی کو اس قوم کے درمیان سے چلا جانا چاہے تاکہ قوم پر عذاب آئے یہ عذاب بھی تو آسمان یا زمین کی کسی فطری قوت مثلاً زلزلہ پانی ہوا وغیرہ کے ذریعہ آتا ہے اور کبھی مومنین کے ہاتھوں اس عذاب کی تکمیل ہوتی ہے چنانچہ اسی سورہ اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس طریقے کی وضاحت فرمائی اور صاف صاف فرمادیا ہے کہ یہ لوگ اپنی شقاوت کی انہما پر پہنچ کر آپ کو عنقریب اس بستی (کمہ) سے نکلنے پر مجبور کریں گے اگر ایسا ہوا تو پھر تمہارے بعد یہ بھی یہاں اطمینان کے ساتھ رہ نہ سکیں گے تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے اور اب بھی اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

نماز تہجد کی اہمیت

ساتھ ہی ساتھ ان حالات سے نہیں کے لیے نماز اور خاص طور پر تہجد کی نماز کا اہتمام کرنے کی ہدایت کی اور ہجرت کی دعائیں فرمائی کہ اے پیغمبر! اپنے رب سے یہ دعا مانگو۔“ اے رب مجھے اچھی جگہ پہنچا دیو اور یہاں سے اچھی طرح نکالیو اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و نصرت دیجیو،“ اس کے بعد یہ بشارت بھی دی گئی کہ حق کو غلبہ ملتا ہے اور باطل کو ملتا ہے باطل ملنے ہی کے لیے ہوتا ہے بشرطیکہ حق میدان میں موجود ہو۔

اس کے بعد کفار مکہ کے ان اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے جو وہ ہشت دھرمی کی بنیاد پر کیا کرتے تھے اور اس طرح جدت پوری کی گئی اور آخر میں عبرت کیلئے حضرت موسیٰؑ کے واقعات کا تذکرہ بھی کیا گیا۔

اس دور میں دعوت کی خصوصیات

(اس دور میں جو قرآن نازل ہو رہا تھا حالات کی مناسبت سے اس کی کچھ خصوصیات حسب ذیل ہیں۔)

(۱) توکل علی اللہ اور صبر

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور نتائج اس کی امید کے موافق برآمد نہیں ہوتے تو اس پر مایوسی طاری ہونے لگتی ہے دعوت حق کے علمبرداروں کے لیے یہی مرحلہ سب سے زیادہ ناٹک ہوتا ہے، اگر وہ خدا نخواستہ مایوسی کا شکار ہو جائیں تو یہ ان کی اور دعوت کی سب سے بڑی ناکامی ہوتی ہے۔ اس مرحلے میں ثابت قدم رہنے اور نتائج کو بالکل خدا کے توکل پر چھوڑ کر مسلسل کام کیے جانے کیے لئے بڑے مضبوط ایمان کی ضرورت ہے۔ اس آخری دور میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں جو ہدایات نازل فرمائیں، تقریباً ۱۲ سال کی مسلسل جدوجہد کے جو نتائج سامنے تھے وہ ایک عام نظر رکھنے والے انسان کے لیے حوصلہ شکن ہو سکتے تھے اور اتنی طویل مدت کے بعد بھی جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا رہا تھا وہ بھی کچھ کم صبر آزمائہ نہیں

تھیں۔ اسی لیے مونوں کے دلوں کو مضبوط کرنے اور انہیں راہ حق پر جمانے کے لیے اس دور میں خصوصیت سے توجہ کی گئی۔

اس بارے میں سورہ عنكبوت کے مضماین ایک اچھی مثال ہیں۔ اس میں مونوں کو صاف صاف بتا دیا گیا کہ ابتدا اور آزمائش تو اس راہ کی لازمی منزیلیں ہیں جس پر چلنے کا تم نے فیصلہ کیا ہے یہی وہ کسوٹی ہے جس پر کرنے کے بعد ہی دعویٰ ایمان میں سچ اور جھوٹے لوگوں میں تمیز ہو سکتی ہے لیکن مونوں کی اس آزمائش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کافروں کو حقیقی معنوں میں کوئی غلبہ حاصل ہو رہا ہے انہیں بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کے مقابلے میں وہ بازی نہیں لے جاسکتے بالآخر حق کا ہی بول بالا ہو کر رہے گا بشرطیکہ حق پر جمنے والے اپنے صبر اور استقامت سے اپنے کو اللہ کی امداد کا مستحق ثابت کر دیں مونوں کو بتا یا گیا کہ اس راہ میں کتنی ہی گونا گوں رکاوٹیں آتی ہیں لیکن ان کو کسی سے بد دل ہونے کی ضرورت نہیں ان سے پہلے جن اللہ کے بندوں نے دعوتِ اسلامی کا علم بلند کیا ہے ان کو بھی ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا کر بتایا کہ انہوں نے ساڑھے نو سو سال تک کیسے صبر اور استقلال کے ساتھ اپنی قوم کی مخالفت برداشت کی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم، حضرت لوٹ، حضرت شعیب، حضرت صالحؑ، حضرت موسیٰ علیہم السلام کو ایسے ہی حالات سے دو چار ہونا پڑا لیکن آخر کار حق کی فتح ہوئی اور باطل کو میدان سے بھاگنا پڑا۔

(۲) قرآن ایک معجزہ ہے

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کافروں کے معجزہ طلب کرنے پر آنحضرتؐ اور دوسرے مونین کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش کوئی ایسا معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے دیکھ کر یہ لوگ ایمان لے آتے اس خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت فرمائی اس کا ذکر بھی اس سے پہلے آچکا ہے اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کے سب سے بڑے معجزے کی صاف صاف نشان دہی کی اور لوگوں کو بتایا کہ تم جو معجزات طلب کرتے ہو تمہیں چاہیے کہ پہلے اس معجزے کو دیکھو جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے معجزہ ہے اور جس میں ہر عقل اور سمجھ رکھنے والے انسان کی رہنمائی کا سامان ہے۔ یہ معجزہ قرآن ہے حق

یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے بھی مجزے عطا ہوئے، ان میں سب سے بڑا مجزہ قرآن ہی ہے۔

اس دور کی نازل شدہ سورہ عنكبوت میں بتایا گیا ہے کہ ان مخاطبوں میں سے کون نہیں جانتا کہ آپ نے نبوت سے پہلے نہ تو کتابی علم حاصل کیا ہے اور نہ آپ لکھتا پڑھنا ہی جانتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ جو کلام پیش کر رہے ہیں وہ اتنا بلند اور ایسا حکمتوں والا ہے کہ ان میں سے کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اس کی مثال آج تک نہ پیش کر سکا کہ ایسا کلام ان کے سامنے ایک ان پڑھنے والے سے پیش ہو رہا ہے اس کے باوجود یہ لوگ مجزہ طلب کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ مجزہ کا ظاہر ہوتا یا نہ ہوتا یہ تو میرے رب کے حکم میں ہے میں تو تمہیں تمہارے انجام سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں البتہ تم کو یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا میری نبوت کے ثبوت کے لیے وہ آیات الٰہی کافی نہیں ہیں جو میں تم کو سناتا ہوں، تم غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ آیات تو سراسر رحمت اور فیضت ہیں ان لوگوں کے لیے جن کے دل ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے لیے اپنے اندر صلاحیت رکھتے ہوں۔

قرآن پاک کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا مجزہ فرمایا ہے آپ نے فرمایا ”پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مجزے عنایت کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن جو مجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی“، قرآن ایک ایسا مجزہ ہے جو دائیٰ ہے دوسرا مجزہات وقتی تھے اور وہ ختم ہو گئے لیکن یہ مجزہ قیامت تک رہے گا۔ اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا قرآن پاک کا نظم کلام اس کی فصاحت و بلاغت اس میں ایسی غیب کی خبروں اور پیش گوئیوں کا ذکر جن تک کوئی انسانی ذہن نہیں پہنچ سکتا تھا اس کی قوت تاثیر اس کے احکام اور تعلیمات کا ایسا مفید ہوتا کہ آج تک انسانی سوسائٹی کے لیے کوئی دوسرا کار آمد نظام حیات پیش نہ ہو سکا اور باوجود موضوع کی اتنی وسعت کے اس کا ہر قسم کے تضاد اور اختلاف بیانی سے محفوظ ہوتا اور پھر سب سے زیادہ یہ کہ یہ سب کلام ایک ایسے شخص کی زبان سے ادا ہوتا جو اصطلاحی معنی میں

بالکل آن پڑھتا ہے، یہ سب باتیں قرآن پاک کے معجزہ ہونے پر ایسی دلیلیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے آج بھی نبوت محمدی پر اطمینان ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔

(۳) دوٹوک بات

اس دور کے نازل شدہ کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اب کفار سے بات بالکل صاف صاف اور دوٹوک کمی جانے لگی جس کا انداز یہ تھا کہ اب سمجھانے اور بتانے کی حد ہو گئی مانا ہے تو اب بھی موقع ہے مان لوئیں تو اپنے انکار اور ضد کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہو۔

چنانچہ کہا گیا کہ (۱) "میں تو اپنے رب کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور تم اسے جھٹکا رہے ہو کہ اس انکار کی پاداش میں جو عذاب آتا ہے وہ آجائے لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ میرے قبضے میں وہ چیز نہیں ہے جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو معاملہ بھی کا ہو چکا ہوتا، غیب کا علم اللہ کو ہے وہ جانتا ہے کہ کس کام کے لیے کون سا وقت مناسب ہے، وہ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے تمہارے اوپر عذاب بھیج دے، پھر اسی سلسلے میں آگے چل کر ہدایت دی گئی کہ جن لوگوں نے دین کے معا ملے کو ایک کھیل سمجھ رکھا ہے اور وہ دنیا کی زندگی میں مست ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دوابتہ انہیں یہ قرآن برابر ناتے رہو، اس پر بھی نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ لوگو! تم اپنی جگہ پر وہ عمل کرتے رہو جو تم کرتا چاہتے ہو، میں بھی اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں، نتیجہ جلد ہی تمہارے سامنے آجائے گا، کہ کون سید ہے راستہ پر تھا۔

یہ ایک مثال ہے اس قسم کے طرز کلام کی اس کے علاوہ بھی اس دور کی وحی میں یہ انداز واضح طور پر سامنے آتا ہے اور یہ گویا اعلان تھا اس بات کا کہ اب بات کسی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہونے والی ہے۔

(۲) ہجرت کے لیے تیاری

اس کے علاوہ ہجرت کے لیے صاف صاف اشارے بھی اس دور کے کلام میں بار بار سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ سورہ عنكبوت میں ہدایتِ ذی گئی کہ اے میرے بندو! بندگی تو میری عی کرتے رہنا، اگر میری بندگی کی وجہ سے تمہارے اپنے دلن کی زمین تمہارے لیے تک ہو گئی ہے تو اس کی پرواہ نہ کرنا میری زمین بہت وسیع ہے، مراد یہ کہ چاہے گھر یا رچھوٹ جائے لیکن میری بندگی کا رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔ زیادہ سے زیادہ خطرہ جو کسی جاندار کو ہو سکتا ہے وہ موت کا خطرہ ہے تو یقین رکھو کہ مرننا تو ہر ایک کو ہے اور پھر پلٹ کر میرے ہی پاس آتا ہے تو اگر میری ہی راہ میں موت آئے تو پھر فکر کس بات کی ہے، جو کوئی ایمان اور عمل صالح کی پونچی لے کر آئے گا اسے ایسے باغوں میں آرام سے رکھا جائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جہاں وہ ہمیشہ رہے گا یہ کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے ایسے عمل کرنے والے جو سخت سے سخت حالات میں بھی اللہ کے دین کی راہ پر جنمے رہے اور جنہوں نے اپنی ہر جدو جہد کرتے وقت بھروسہ اپنے رب پر ہی رکھا۔

پھر یہ بتایا گیا کہ اللہ کی راہ میں گھر یا رچھوڑ نے کا دوسرا اندیشہ معاشی بدحالی کا ہے اس بارے میں ان کے اس ایمان کو مضبوط کیا گیا کہ دراصل رزق کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے دیکھوڑ میں پر چلنے والے کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنارزق اپنے ساتھ اٹھائے اٹھائے نہیں پھرتے، لیکن اللہ ان کا رزق مہیا کرتا ہے اور انہیں کھانے کو دیتا ہے تو آخر تم ہی اس کی رزاقیت سے ایسے مایوس کیوں ہو کہ وہ تمہیں رزق نہ دے گا۔

اس کے علاوہ اس دور کی ایک اور سورت بنی اسرائیل میں ہجرت کے لیے دعا بھی سکھائی گئی کہا گیا کہ دعا یوں مانگو کہ ”اے رب! مجھے اچھی جگہ پہنچائیو، اور (ملکہ) سے اچھی طرح نکالیو، اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و نصرت دیکھیو اور اے چشم بر اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا باطل کو مٹ ہی جانا تھا“۔

غرضیکہ یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے ایسے اشارات ہیں جو اس دور کے کلام میں ملتے ہیں جن میں ایک طرف تو اس آنے والے انقلاب کی طرف اشارے کیے جا رہے ہیں

تھے اور دوسری طرف ان حالات سے نہیں کے لیے جس تاریکی ضرورت ہی اس پر بار بار
ستوپیج کیا جا رہا تھا، آخرت کا پختہ یقین دنیا کی نعمتوں کی آرزو کا ولوں سے کھو رکھو کر نکال
کیجیئنا، تو حید خالص اور اس کے تقاضوں کو اچھی طرح ذہن میں کرتا اللہ کے علاوہ کسی
دوسرے سہارے کو دل میں کوئی جگہ نہ دینا، صرف اسی کی ذات پر کمل بھروسہ کرنا جو یہ
ہدایات اللہ کی طرف سے نازل ہو رہی تھیں ان کو بلا پچھنا ہے بڑھائے برابر پیش کرنے
کے لیے نماز قائم کرنا اور اس پر
رہنا اور ان سب کاموں کے واسطے تقویت حاصل کرنے کے لیے نماز قائم کرنا اور اس پر
پوری پوری توجہ دینا، اور اسی طرح کی دوسروں کی تھیں جن پر مسلمانوں کی تربیت کی جا
رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ انہیں ان خفت حالات میں بھی دین کی تعلیف کرنے کے لیے
ضروری براہیات دی جا رہی تھیں۔



ساتواں باب

ہجرت

- | | |
|-------------------------------|---|
| عام مسلمانوں کی مدینہ کو ہجرت | ☆ |
| آنحضرتؐ کے قتل کا مشورہ | ☆ |
| کے سے رد انگلی | ☆ |
| غارلور میں پناہ | ☆ |
| مدینہ تک سفر | ☆ |
| مدینہ میں تشریف آوری | ☆ |
| مدینہ میں قیام | ☆ |
| مسجد نبوی کی تعمیر | ☆ |
| مواحات (بھائی بنانا) | ☆ |

islami اصطلاح میں صرف اللہ کے دین کی خاطرا پنے وطن کو چھوڑ کر کسی ایسی دوسری جگہ چلا بانا جہاں دین کے تقاضے پورے ہو سکیں ہجرت کہلاتا ہے۔ مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ محض کاروبار، گھر اور جائیداد یا اعزہ واقارب کی خاطر کسی ایسی جگہ سے چمٹا رہے جہاں اس کے لیے اسلامی زندگی بس رکرنے اور اللہ کے دین کی دعوت دینے کی آزادی نہ ہو۔

یہاں یہ بات سمجھ لئی چاہیے کہ جو شخص اللہ کے دین پر ایمان لا یا ہواں کے لیے کسی نظامِ کفر کے تحت زندگی بس رکرنا صرف دو ہی صورتوں میں جائز ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ وہ اس سر زمین میں اسلام کو غالب کرنے اور نظامِ کفر کو نظامِ اسلام میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرتا ہے جس طرح کہ اب تک مسلمان کے میں رہ کر برابر کر رہے تھے اور اس کام کے مقابلے میں ہر قسم کی سختیاں جھیل رہے تھے دوسرے یہ کہ وہ درحقیقت وہاں سے نکلنے کی راہ نہ پاتا ہو یا اس کے لیے کوئی ایسی جگہ میرنہ ہو جہاں وہ اسلامی زندگی گزارنے اور نظامِ اسلام کو برپا کرنے کی جدوجہد کر سکے (۱) لیکن جب کوئی ایسا مقام میر آجائے جہاں دین کے تقاضے پورے ہو سکیں جیسا کہ اب مدینہ کی سر زمین سے امیدیں قائم ہو چکی تھیں تو ایسی صورت میں صرف وہی لوگ قابل معافی ہوتے ہیں جو انتہائی معدود را اور مجبور ہوں اور کسی طرح سفر کے قابل نہ ہوں خواہ بیماری کی وجہ سے یا مغلی کی بناء پر۔

عام مسلمانوں کی مدینہ کو ہجرت

مدینہ میں جب اسلام کی انسانیت ایک حد تک ہو چکی تو اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو جو ملکے میں کافروں کے ہاتھوں ستائے جا رہے تھے اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ یہ دیکھ کر کافروں نے مسلمانوں کو

یہ بات پیش نظر ہے کہ ہجرت کے لیے کسی دارالاسلام کا موجود ہونا شرط نہیں ہے مسلمان کے لیے احکامِ کفر کی اطاعت سے بچنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کسی جگہ اور کسی پہاڑ میں جا کر زندگی بس رکر سکے۔ مسلمان کی نظر میں ہر جز کے بچانے سے زیادہ دین کے بچانے کی اہمیت ہے۔

ہجرت سے روکنے کے لیے مظالم اور بڑھادیے اور ہر طرح کوشش کی کہ یہ لوگ ان کے چنگل سے نکل کر جا بھی نہ سکیں، لیکن مسلمانوں نے اپنے مال جان اور اولاد کو خطرے میں ڈال کر اللہ کے دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دینا ہی پسند کیا اور کوئی لاچ اور دباو انہیں ان کے ارادے سے نہ روک سکا رفتہ رفتہ بہت سے صحابہؓ مدینہ تشریف لے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے یا کچھ ایسے مسلمان رہ گئے جو مغلیٰ کی پیچہ سے مجبور تھے اور سفر نہیں کر سکتے تھے۔

آنحضرتؐ کے قتل کا مشورہ

جب نبوت کا تیر ہواں سال شروع ہوا تو اس وقت تک بہت سے صحابہؓ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے اب قریش نے دیکھا کہ مسلمان تو مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جا رہا ہے انہیں بڑی تشویش ہوئی اور انہوں نے اسلام کو آخری طور پر ختم کرنے کے لیے تدبیریں سوچنا شروع کیں عام قوی مسائل پر سوچ بچار کرنے کے لیے دارالتدبیر یا مشورے کی ایک جگہ مقرر تھی وہاں ہر قبیلے کے بڑے بڑے سردار جمع ہوئے اور یہ سوچنا شروع کیا کہ اب اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے کیا کیا جائے کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زنجیروں سے جکڑ کر کسی مکان میں بند کر دیا جائے لیکن یہ مشورہ اس لیے رد کر دیا گیا کہ کچھ لوگوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ان کو ہم سے چھڑا لے جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ ہمیں ان کے مقابلے میں شکست ہو جائے ایک مشورہ یہ دیا گیا کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے لیکن یہ بھی اس لیے پسند نہ کیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جائیں گے وہاں ہی ان کے پیرو پیدا ہونے لگیں گے اور ان کی تحریک برابر بڑھتی چلی جائے گی آخر کار ابو جہل نے یہ مشورہ دیا کہ ہر ہر قبیلے میں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جائے اور یہ سب مل کر ایک ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کریں اور انہیں قتل کر دیں اس طرح ان کا خون تمام قبیلوں میں بث جائے گا اور خاندان ہاشم کے لیے یہ ممکن نہ ہو گا کہ تمام قبیلوں کے مقابلے میں اکیلے جنگ کر سکیں اس رائے کو سب نے پسند کیا اور بالآخر اس کام کے لئے ایک رات مقرر کر لی گئی اور یہ طے پایا کہ اس رات کو سب منتخب لوگ آپؐ کے گھر

کو گھیر لیں اور جب آپ صبح باہر تشریف لا گئیں تو یہ اپنا کام کر ڈالیں عرب والے رات کو بے خبری کے عالم میں کسی کے گھر میں گھننا پسند نہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دشمنوں کی ان خفیہ مدیروں کا علم ہوتا رہا اور اب وہ وقت آگیا کہ وحی کے ذریعہ آپ کو یہ حکم مل گیا کہ اب آپ بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ اس ہجرت سے دو تین دن پہلے آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مشورہ کیا اور یہ طے ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ تشریف لے جائیں گے سفر کے لیے اونٹیاں بھی تجویز ہو گئیں اور مختصر ساز او راہ بھی تیار کر لایا گیا۔

مکے سے روغنی

کفار قریش نے جو رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لیے طے کی تھی اس رات کو آپ نے حضرت علیؓ کو بدلایا اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم مل چکا ہے۔ میں آج رات مدینہ روانہ ہو جاؤں گا میرے پاس بہت سے لوگوں کی امانتیں جمع ہیں، یہ تم صبح ان لوگوں کو واپس کر دینا اور آج رات تم میرے بستر پر سوتے رہنا تا کہ دیکھنے والے مطمئن رہیں کہ میں گھر میں موجود ہوں۔

کفار قریش ایک طرف تو آپ کے خون کے پیاس سے تھے لیکن اس حال میں بھی آپؐ ہی کو ایسا امانت دار اور دیانت دار سمجھتے تھے کہ اپنی امانتیں اور مال لَا کر آنحضرتؐ کے پاس رکھتے تھے۔

رات کو کفار نے آپؐ کا گھر گھیر لیا، جب رات زیادہ ہوئی تو آپؐ خاموشی اور اطمینان کے ساتھ مکان سے باہر نکلے اس وقت سورہ یسین کی آیات (۱) تلاوت فرمार ہے تھے آپؐ نے ایک مٹھی بھر خاک لی اور پھر خاہت الوجہ (چہرے بگڑ جائیں) فرماتے ہوئے کفار کی طرف چینچکی اور ان کے درمیان سے ہو کر تشریف لے گئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی

قدرت سے ان محاصرہ کرنے والوں پر کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لے جاتے ہوئے دیکھے ہی نہ سکے۔ آپ حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے ان کے ہمراہ کے سے باہر جا کر غار ثور میں چھپ گئے۔

غار ثور میں پناہ

حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ جو اس وقت نو عمر تھے رات کو ان صاحبان کے پاس رہتے اور صحیح ملنے میں آکر پتہ چلاتے کہ کفار اب کیا مشورے کر رہے ہیں۔ جو کچھ معلوم ہوتا اس سے ان دونوں بزرگوں کو بھی باخبر کرتے رہتے۔ کچھ رات گئے حضرت ابو بکرؓ کا غلام بکریوں کا دودھ لے آتا یا کبھی گھر سے کچھ کھانا پہنچ جاتا، اس طرح میں راتوں تک یہ دونوں صاحبان وہاں بھرے رہے۔

صحیح کو جب کافروں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملنے سے ہجرت فرمائے تو بہت پریشان ہوئے اور آپؐ کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ پڑے۔ ایک بار یہ لوگ آپؐ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے عین اس غار کے منہ تک آگئے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ چھپے ہوئے تھے ان لوگوں کے قدموں کی آہٹ پا کر حضرت ابو بکرؓ کچھ پریشان ہوئے، اس لیے نہیں کہ انہیں اپنی جان کا خطرہ تھا بلکہ اس لیے کہ کہیں اللہ کے رسولؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے آپؐ نے ان کی گھبراہٹ دیکھ کر نہایت اطمینان کے ساتھ انہیں سلی وی اور فرمایا:-

لَا تَحْزُنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (توبہ: ۳۰)

”گھبراو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم سے غار کے منہ پر کچھ ایسی علامتیں پیدا ہو گئیں کہ (۱) انہیں دیکھ کر کافروں نے سمجھا کہ اس غار میں کوئی داخل نہیں ہوا ہے۔

ساتھ ہی کفار قریش نے یہ اعلان کر دیا کہ اگر کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لائے گا تو اسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا اس انعام کا اعلان سن کر کتنے ہی آدمی آپؐ کی تلاش میں ادھر ادھر نکل کھڑے ہوئے

(۱) کہا جاتا ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تاں دیا تھا اور کسی کبوتر نے اپنا گھونسلا رکھا تھا، جسے دیکھنے والوں کو یہی یقین ہوا کہ اس غار میں عرصہ سے کوئی داخل نہیں ہوا ہے۔

مذینہ تک سفر

چوتھے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکلے اور ایک رات اور دن برابر سفر کرتے رہے، سفر کے لیے حضرت ابو بکرؓ کی تیار کی ہوئی دو عمدہ اونٹیاں پہلے سے طے ہو چکی تھیں۔ راستہ بتانے کے لیے بھی ایک جانے والے کو مقرر کر لیا گیا تھا۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہو گئی تو ایک چڑان کے سایہ میں کچھ دیر آرام کرنے کے لئے خپھرے۔ قریب ہی چڑاہا مل گیا اس کی بکریوں کا دودھ پیا اور پھر وہاں سے روانہ ہوئے جس وقت آپ روانہ ہو رہے تھے کہ اچانک ایک شخص سراقد بن جھشم نے آپ کو دیکھ لیا۔ اس شخص انعام کے لائق میں آپ کی تلاش میں لکھا تھا اس نے آپ کو دیکھ کر اپنا گھوڑا دوڑایا گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا لیکن وہ پھر سنجدہ اور پھر حملہ کرنے کے لیے تیار ہوا، اب جو آگے بڑھا تو اللہ کی قدرت کہ اس کے گھوڑے کے پاؤں گھننوں تک زمین میں ڈھنس گئے اب تو سراقد پر یہاں ہو گیا اور سمجھ گیا کہ معاملہ دوسرا ہے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ کر سکوں گا اور فوراً ذر کر اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا اور امان کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا اور امان دے دی۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مجزہ تھا۔

مذینے میں تشریف آوری

آپ کے تشریف لانے کی خبر مدینہ میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی اور پورا شہر آپؐ کی تشریف آوری کا منتظر تھا۔ پچھے اور بڑے ہر روز سوریے شہر سے نکل کر باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے لوٹ آتے۔ آخر ایک دن وہ مبارک گھری آئی گئی جس کے یہ لوگ منتظر تھے۔ دور سے آپ کے آنے کی علامات دیکھ کر سارا شہر بکیر کی آوازوں سے گونج اٹھا اور ہر منتظر دل کی کلی کھل گئی۔ مدینے سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے قبایہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ ان میں عمر وابن عوف کا خاندان سب سے متاز تھا اور کلثوم بن الہدم اس کے افسر تھے۔ یہ سعادت ان کی قسمت میں تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان کی مہماںی قبول فرمائی اور آپؐ نے قبایں ان کے مکان پر قیام فرمایا:

حضرت علیٰ جو آپ کے روانہ ہونے کے تین دن بعد چلے تھے، وہ بھی تشریف لے آئے اور یہاں یہ قیام فرمایا۔

قبا میں آپ کی تشریف آوری نبوت کے تیر ہویں سال ۸ ربیع الاول (مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) کو ہوئی قبا کے قیام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بناؤالی اور دوسرے صحابہ کے ساتھ مل کر خود اس مسجد کی تعمیر کی چند روز قبا میں ٹھہر کر آپ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے یہ جمعہ کا دن تھا راستے میں بنی سالم کے محلے میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ نے سب سے پہلا جمعہ کا خطبہ دیا اور سب سے پہلی جمعہ کی نماز پڑھائی مدینہ میں داخلے کے وقت ہر جاں شارکی آرز و تھی کہ مہمانی کا شرف اس کے حصے میں آئے ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا کہ "حضور یہ گھر ہے یہاں قیام فرمائیں" لوگوں کے شوق اور ذوق کا یہ عالم تھا کہ ہر دل فرش راہ تھا اور ہر جان قربان ہونے کے لئے بے چین، خواتین مکانوں کی چھتوں پر گاری تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا

مِنْ ثَيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا

مَا ذُعِنَ لِلَّهِ دَاعِ

معصوم لڑکیاں وف بجا کر گاری تھیں:-

نَحْنُ جَوَارِ مِنْ بَنْيِ النَّجَارِ

يَا حَبَّدًا مُحَمَّدُ قِلْ جَالِهِ

ہم خاندان تجارت کی لڑکیاں ہیں اور محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کیسے اچھے ہمائے ہیں

آپ نے ان لڑکیوں سے پوچھا "کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟ وہ بولیں "ہاں" فرمایا" میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں"

مدینہ میں قیام

میزبانی کا شرف کے حامل ہو؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا تصفیہ آسان نہ تھا آنحضرت نے فرمایا کہ میری اوثنی جس کے مکان کے سامنے ٹھہر جائے، وہی اس خدمت کو انجام دے۔ چنانچہ یہ شرف حضرت ابوالیوب انصاری کے حصے میں آیا، جہاں اب مسجد نبوی

ہے اس کے قریب ان کا مکان تھا، یہ مکان دو منزلہ تھا، انہوں نے بالا خانہ پیش کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی آمد و رفت کی سہولت کی وجہ سے نیچے کی منزل میں رہنا پسند فرمایا اور حضرت ابوالیوبؓ اور ان کی زوجہ کے حصے میں اوپر کی منزل آئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات میں تک بیہیں قیام فرمایا اس کے بعد جب مسجد نبویؐ کے قریب آپؐ کے قیام کے لیے جمرے تعمیر ہو گئے تو وہاں منتقل ہو گئے تھوڑے ہی دونوں کے اندر آپؐ کے خاندان کے لوگ بھی مدینہ چلے آئے۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا اور ضروری کام ایک مسجد کی تعمیر تھا، جہاں آپؐ نے قیام فرمایا تھا، اس کے قریب ہی کچھ زمین افدادہ تھی، جو دو تینوں کی تھی، ان کو قیمت دے کر یہ زمین حاصل کی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی اس وقت بھی آپؐ مزدوروں کی طرح سب کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور پھر انھا انھا کرلاتے تھے یہ مسجد بہت ہی سادہ طریقے پر بنائی گئی تھی کچھ اینٹوں کی دیواریں بھجور کی پتوں کی چھت بھجور کے تنوں کے ستون اس مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا کیوں کہ ابھی تک مسلمانوں کا قبلہ بھی وہی تھا پھر جب قبلہ کعبہ کی طرف ہو گیا تو مسجد میں بھی اسی نسبت سے ترمیم کر دی گئی مسجد کا فرش کچا تھا بارش ہوتی تو مسجد میں کچڑ ہو جاتی تھی۔ کچھ دونوں کے بعد پھر وہ کافر دوں کا فرش بنالیا گیا۔

مسجد کے ایک سرے پر ایک پٹا ہوا چبوڑہ تھا، جسے صفائی کہتے تھے۔ یہ ان لوگوں کے ٹھہر نے کام مقام تھا جو اسلام لائے تھے، لیکن ان کا کوئی گھر ورنہ تھا۔

جب مسجد بن چکی تو اس کے قریب ہی آپؐ نے ازواج مطہرات کے لیے جمرے بنوائیے۔ یہ بھی کچھ اینٹوں اور بھجور کی نیٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ یہ مکان چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے، چھت آٹی اور نیچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو تو چھت کو چھوٹے دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے قریب جو انصار رہتے تھے ان میں کھاتے چلتے لوگ آپؐ کی خدمت میں کچھ دو دھنچیج دیا کرتے، کبھی سالن اور کبھی کچھ اور بس اسی پر برخی زندگی ٹنگلی کے ساتھ بسر ہوتی تھی

مواحات (بھائی بنانا)

مکے سے جو مسلمان گھر یا رچھوڑ کر مدینہ آگئے تھے وہ تقریباً سب ہی بے سروسامان تھے ان میں جو لوگ کھاتے پیتے تھے، وہ بھی اپنا مال مکے سے نہیں لاسکے تھے اور ان کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لیوں ہی آنا پڑا تھا اگرچہ یہ سب مہاجر مدینہ کے مسلمانوں (انصار) کے مہمان تھے لیکن بہر حال اب ان کے مستقل قیام کے بندوبست کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ یوں بھی لوگ اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے زندگی بسر کرتا پسند کرتے تھے چنانچہ جب مسجد نبویؐ کی تعمیر ختم ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن انصار کو بلا یا اور ان سے فرمایا کہ یہ مہاجر تمہارے بھائی ہیں۔ پھر آپؐ نے ایک شخص کو انصار میں سے اور ایک کو مہاجرین میں سے بلا کر فرمایا کہ آج سے تم دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ اس طرح سب مہاجرین میں کو انصار کا بھائی بنادیا اور یہ اللہ کے مخلص بندے سچ مجھ بھائی ہی کیا بھائی سے بھی کہیں زیادہ ایک دوسرے کے رفق بن گئے انصار مہاجرین کو اپنے اپنے گھر لے گئے اور اپنی کل جائداد اور سامان کا حساب ان کے سامنے رکھ دیا اور کہہ دیا کہ آدھا ہمارا اور آدھا تمہارا، باغات کی آمدی، بھتی کی پیداوار، گھر کا سامان، مکان، جائداد غرض یہ کہ ہر چیزان میں بھائیوں کی طرح تقسیم ہو گئی اور یہ بے گھر مہاجر سب کے سب اطمینان سے ہو گئے ساتھ ہی بہت سے مہاجروں نے کاروبار بھی شروع کر دیا۔ دو کافیں کھول لیں۔ اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے اس طرح مہاجروں کے بسانے کا کام انجام پایا اور اس طرف سے اطمینان حال ہوا۔

خواہ احمد

دھویں اسلامی اگر بچے دوڑیں

بہادر سے بہادر

نافعین

قیلک بنیل

☆ ☆

ہجرت سے پہلے اسلام کی دعوت ملکے کے مشرکوں کے سامنے دی جا رہی تھی ان کے لیے اسلام کی دعوت ایک نئی چیز تھی لیکن ہجرت کے بعد مدینہ میں یہود سے سابقہ پیش آیا۔ یہ لوگ توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ، وحی وغیرہ کے قائل تھے اور ایک پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے امتی ہونے کے لحاظ سے خدا کی طرف سے آئی ہوئی ایک شریعت کے ماننے کے بھی ممکن تھے اصول ان کا اصل دین وہی اسلام تھا جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے تھے۔ یہ بات دوسری تھی کہ صدیوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ان کے اندر بے شمار خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی زندگی اصل خدائی شریعت کے ضابطوں سے آزاد ہو گئی تھی اور اس میں سینکڑوں قسم کی بدعتیں اور رسم و رواج داخل ہو گئے تھے تورات ان کے پاس ضرور تھی لیکن اس میں انہوں نے بہت سا انسانی کلام شامل کر لیا تھا اور جو کچھ خدائی احکام باقی بھی رہ گئے تھے انہیں اپنی من مانی تاویلوں اور تشریکوں کے سانچوں میں ڈھال کر کچھ سے کچھ بنادیا تھا، خدا کے دین سے ان کا تعلق کمزور ہو گیا تھا اور اجتماعی طور پر ان کے اندر ایسی خرابیاں جڑ پکڑ گئی تھیں کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ انہیں سیدھا راستہ دکھانے کے لیے کبھی آیا بھی تو انہوں نے اس کی ایک نہ سکنی بلکہ اسے اپناسب سے بڑا شمن جانا اور ہر طرح اس کی آواز دبانے کی کوشش کی اگرچہ یہ لوگ اپنی اصل کے لحاظ سے ”مسلم“ ہی تھے لیکن اب اتنے بگڑ گئے تھے کہ انہیں خود بھی یہ یاد نہ رہا تھا کہ دراصل ان کا دین کیا تھا۔

اس لحاظ سے اب تحریک اسلامی کے سامنے صرف دین کے اصولوں کی بنیادی تعلیم ہی سے لوگوں کے متعارف کرانے کا کام نہ تھا بلکہ ایسے لوگوں میں پھر سے دینی روح بیدار کرنے کا کام بھی تھا جو ایک اعتبار سے ”بگڑے ہوئے مسلم“ تھے پھر اس کے علاوہ اب مدینے میں چاروں طرف سے آ کر مسلمان اکٹھا ہو رہے تھے اور ان مہاجرین اور مدینے کے انصار سے مل کر ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ اس لیے اب تک تو تحریک کو صرف اصولی دعوت عقائد کی اصلاح اور کچھ اخلاقی تعلیمات کی حد تک ہدایات

دینا تھیں لیکن اب رہن سہن کے طریقوں کی اصلاح انتظامی قوانین اور آپس کے تعلقات درست کرنے کے خابطوں کی ضرورت تھی چنانچہ اب اس طرف بھی پوری توجہ دی جانے لگی تھی۔ ایک دوسری بڑی تبدیلی اور ہوئی اب تک اسلام کی دعوت خود کفر کے ماحول میں دی جاری تھی اور وہاں رہ کر مسلمان کافروں کے مظالم برداشت کر رہے تھے لیکن اب انکی اپنی ایک آزاد چھوٹی سی ریاست بن گئی تھی جو چاروں طرف کفر کے قلعوں سے گھری ہوئی تھی اور اب معاملہ صرف ستانے اور پریشان کرنے کا ہی نہیں تھا بلکہ پورا عرب اب اس بات پر تلا ہوا تھا کہ اس مٹھی بھر جماعت کو جلد سے جلد ختم کر دیا جائے نہیں تو انہیں یہ خطرہ سامنے نظر آ رہا تھا کہ اگر اسلام کے اس نئے مرکز نے طاقت حاصل کرنا شروع کر دی تو پھر ان کے لیے مٹھرنے کا کوئی مقام نہ رہ جائے گا اس لیے اب اس مختصری اسلامی جماعت کے لیے اپنے اور اپنی تحریک کے بھاؤ کے لیے ضروری تھا کہ:-

(۱) وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ اپنے ملک کی تبلیغ کریں اس کا حق ہونا دلائل سے ثابت کریں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کریں۔

(۲) مخالفین جن عقیدوں پر جمے ہوئے تھے ان کا غلط ہونا دلائل سے ثابت کریں تا کہ جو شخص بھی عقل کی روشنی میں بات سمجھتا چاہے، اس کے لیے حقیقت تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

(۳) گھر یا رچھوڑ نے اور کار و بار کو ختم کر دینے کے بعد جو لوگ اس نئی ریاست میں آ آ کر جمع ہو رہے تھے ان کے لیے نہ صرف یہ کہ جماؤ کا کوئی انتظام کیا جائے بلکہ ان کی اسی اخلاقی اور ایمانی تربیت کی جائے کہ فقرو فاقہ اور بے اطمینانی کی حالت میں وہ پورے صبر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر سکیں اور کسی سخت سے سخت موقع پر بھی ان کے قدم نہ ڈال گئے پائیں۔

(۴) مسلمانوں کو اس بات کے لیے بالکل تیار کر دیا جائے کہ جب ان کو مٹا دالنے کے ارادے کے ساتھ مخالفین ان پر حملہ کریں تو باوجود اپنی کمزوری اور بے سرو سامانی کے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کر سکیں اور ان کو اپنے ملک کی سچائی پر ایسا یقین اور اپنے خدا پر ایسا

بھروسہ ہو کہ وہ بھی میدان سے منہ نہ موڑیں۔

(۵) تحریک کے علمبرداروں میں اتنی ہمت پیدا کر دی جائے کہ جو لوگ سمجھانے کے باوجود اس نظام زندگی کے قائم ہونے میں آڑے آئیں جو اسلام قائم کرنا چاہتا تھا تو ان کو قوت کے ساتھ میدان سے ہٹا دیں۔

یہود سے معاهدے

مدینے کے چاروں طرف یہود کی بستیاں تھیں ان لوگوں میں اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ان سے یا کی تعلقات کی نوعیت متعین ہو جائے کیونکہ مکے کے قریش یہ جان کر کہ مسلمان مکے سے چلے گئے مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک مشتمل جماعت مدینے میں اکٹھا ہو رہی ہے تو انہوں نے اسلام کے اس مرکز کو اپنی طاقت کے بل پر مٹا دالنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھیں اس لیے ضروری تھا کہ مدینے کے چاروں طرف یہود کی جو بستیاں تھیں ان سے مسلمان اپنے یا کی تعلقات واضح طور پر متعین کر لیں تاکہ مشرکین مکہ کے کسی حملہ کے وقت یہ اندازہ ہو سکے کہ یہود کی طاقت کس طرف ہو گی چنانچہ مدینہ اور ساحل بحیرہ کے درمیان جو قبیلے آباد تھے ان کے ساتھ بات چیت شروع ہوئی ان میں سے بعض سے بعض نے غیر جانب داری کا معاهدہ لے لیا یعنی یہ کہ اگر مدینہ کے مسلمانوں پر قریش یا کوئی اور حملہ کرے گا تو یہ لوگ نہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑیں گے اور نہ مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دیں گے اور بعض قبیلوں سے یہ معاهدہ لے لیا گیا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی حملہ کرے گا تو یہ لوگ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

منافقین

مدینے میں تحریک اسلامی کو اس وقت جن نئے حالات سے سابقہ پڑ رہا تھا ان میں ایک مسئلہ منافقین کا بھی بڑا اہم تھا مکے کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ تو اسلامی جماعت میں آگئے تھے جو اگر چہ اسلام کی دعوت کو بالکل برحق جانتے تھے لیکن اپنے ایمان کی کمزوری

کی وجہ سے وہ اسلام کی خاطر اپنے دنیاوی تعلقات کو نہیں چھوڑ سکتے تھے تجارت زراعت یا عزیز داری کی بندشیں انہیں اکثر اسلام کے تقاضے پورا کرنے سے روک دیتی تھیں لیکن اب مدینے میں کچھ ایسے منافق بھی اسلامی جماعت میں گھس آئے تھے جو واقعہ اسلام کے بالکل منکر تھے لیکن مخفی فتنہ برپا کرنے کے لیے وہ مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے یا پھر کچھ لوگ ایسے تھے جو مجبوراً اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے ان کے دل تو اسلام پر مطمئن نہیں تھے مگر چونکہ قبلیہ یا خاندان کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے اس لیے وہ بھی مجبوراً مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے ساتھ ہی ساتھ کچھ ایسے موقعہ پرست لوگ بھی جماعت میں گھس آئے تھے جو ایک طرف تو مسلمانوں کے ساتھی بن کر اپنے دنیاوی فائدے حاصل کرنے کی فکر کرتے تھے اور دوسری طرف کافروں سے بھی ساز بازر کھتے تھے ان لوگوں کی تذیری تھی کہ اگر اسلام اور کفر کی کش کش میں اسلام غالب آجائے تو ان کو اسلام کے دائرے میں امن مل جائے اور اگر جیت کفر کی ہو جائے تب بھی ان کے مفاد محفوظ رہیں۔

اسلامی تحریک کے لیے یہ آئین کے سانپ کافی مشکلات کا باعث تھے اور ان سے نہ نہنا آسان کام نہ تھا میں کی پوری زندگی میں ان لوگوں کے فتوں کا مقابلہ کیسے کیسے کیا گیا اس کا ذکر تو اپنے مناسب مقامات پر آئندہ آتا رہے گا اس موقعہ پر اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ ایسے منافقین اور اسلام کی راہ پر سوچ کم جھ کر قدم رکھنے والے سچے مومنین بالکل ایک دوسرے کے مقابلے میں پہچان لیے جائیں کیونکہ اب اسلامی تحریک کو جن حالات سے دوچار ہونا تھا ان میں اس بات کی بڑی سخت ضرورت تھی کہ جو لوگ ابھی تک پرانے تعصبات اور غیر اسلامی خیالات کے غلام تھے یا جن کے ایمان میں کسی پہلو سے کمزوری تھی وہ لوگ چھٹ کر الگ ہو جائیں۔

قبلیہ کی تبدیلی

اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے بیت المقدس کا تعلق یہودیوں سے بہت ہی قریب تھا یہودی بھی اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے شعبان ^۲ کا واقعہ ہے کہ عین نماز کی حالت میں قبلیہ کو بد لئے کا حکم نازل ہوا اور

اب بیت المقدس کے بد لے کعبے کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عین نماز کی حالت میں اپنا رخ بیت المقدس کی طرف سے بدل کر کعبے کی طرف کر لیا یہ واقعہ تحریک اسلامی کی تاریخ میں بڑا ہم تھا اس کی اہمیت کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ:-

”ہم نے جو کعبہ کو تہارا قبلہ بنادیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون پیغمبر کا پیرو ہے اور کون اتنا پچھے پھر جانے والا ہے“ (البقرہ)

ساتھ ہی ساتھ یہ اس امر کا اعلان بھی تھا کہ اب تک دنیا کی اخلاقی اور ایمانی رہنمائی کا جو کام یہود کو سونپا گیا تھا اب انہیں اس سے ہٹایا جا رہا ہے کیون کہ انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا اور اس نعمت کی قدرتہ پہچانی۔ ان کے بد لے اب یہ خدمت امت مسلمہ کو سونپی جا رہی ہے اور وہی اس فریضہ کو انجام دے گی۔

اس واقعہ کا اثر یہ پڑا کہ بہت سے لوگوں کا جن کے دلوں میں ایمان نے جگنہیں پائی تھی پر وہ فاش ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام پر سخت نکتہ چینی کی اور یہ واضح ہو گیا کہ ان کا مقام اسلامی جماعت میں کیا ہے؟ اس طرح بہت سے دو دلے مسلمان اسلامی جماعت سے الگ ہو گئے اور بڑی حد تک جماعت ایسے ناکارہ لوگوں سے پاک ہو گئی۔

تحریک اسلامی کی مدافعت

قریش کے لیے خطرہ	☆
قریش کی سازش	☆
قریش پر دباؤ	☆
حضرتی کا قتل	☆
غزوہ بدر	☆
قریش کی چڑھائی	☆
مسلمانوں کی تیاری	☆
مدینے سے مسلمانوں کا کوچ	☆
لڑائی کامیدان	☆
جنگ کی ابتداء	☆
قریش کی نیکیت	☆
جنگ بدر کے نتائج اور اثرات	☆
جنگ بدر پر تصریح اور مومنین کی تربیت	☆
غزوہ احد	☆
اسباب	☆
قریش کی پیش قدمی	☆
منافقوں کا دھوکا	☆

نوجوانوں کا جوش	☆
فوج کی ترتیب	☆
قریش کا ساز و سامان	☆
لڑائی کی ابتداء	☆
قریش کا عقب سے حملہ	☆
اللہ کی مدد اور فتح	☆
ابتدائی شکست کے اسباب اور مسلمانوں کی تربیت	☆
توکل	☆
مال کی محبت	☆
کامیابی کی ضمانت	☆
اسلامی تحریک کا اصل محرک	☆
کمزوری کی جڑ	☆
قابل کی بد عہدی	☆
یہودی علماء اور پیروں کی مخالفت	☆
غزوہ بنی قیقاع	☆
کعب بن اشرف کا قتل	☆
بنی نصیر کا اخراج	☆
غزوہ احزاب	☆
ختائق کی تیاری	☆
کفار کا حملہ	☆
اللہ کی مدد	☆
اللہ کے فضل پر بھروسہ	☆
وعی کی ایمان کی جانچ	☆

کنز و ری کی جڑ

رسول اللہ کا قابل تقلید نہیں

بزری طلاق خاتم

صلح حدیث

خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے سفر

مریض سے بات چیت

بیت الرضوان

صلح کا معاملہ

خدمات ابو جندل کا معاملہ

صلح صدیقہ کے اثرات

کے (۱) میں جب عقبہ کے مقام پر مدینہ کے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیش کش کی تھی کہ آپ اور آپ کے ساتھی مدینہ تشریف لے آؤں اسی وقت یہ خطرہ کھل کر سامنے آگیا تھا کہ اس بیعت اور اس پیش کش کی حیثیت دراصل مدینہ والوں کی طرف سے سارے عرب کو ایک جیلیخ کی ہے بیعت کرنے والوں میں ایک بزرگ سعد بن عبادہ کے یہ الفاظ جوانہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہے تھے اب تک تاریخ میں محفوظ ہیں ”جانتے ہو اس شخص سے کسی چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دنیا بھر سے لا ای مول لے رہے ہو لہذا اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے یہ کہ آج ہی اسے چھوڑ دیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسائی ہے اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو بلا واتم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود بنا ہو گے تو بے شک اس کا ہاتھ تھام لو کہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ”اس موقعہ پر تمام وفد نے بالاتفاق کہا تھا کہ ”ہم اسے لے کر اپنے اموال کو تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں“ اب وہ وقت آگیا تھا کہ جب مدینہ والوں کے اس دعویٰ کی جانچ ہوتا تھی۔

قریش کے لیے خطرہ

مدینہ میں مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتل ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ اب اسلام کو ایک ٹھکانا میر آگیا تھا اور اب وہ مسلمان جن کی صداقت صبر اور استقامت

(۱) یہاں یہ شبہ نہ ہوتا چاہیے کہ اسلام میں جنگ شخص مدافعت ہی کے لیے ہوتی ہے بلکہ جب دین کا تقاضا ہوتا ہے تو حق کو خود بڑھ کر بھی باطل کا زور توڑتا پڑتا ہے اس قسم کی جنگوں کا موقعہ تحریک اسلامی کو بعد کے موقعوں پر پیش آیا جن کا ذکر آگئے گا۔

کا بار بار امتحان ہو چکا تھا، ایک منظم جماعت کی صورت اختیار کر چکے تھے، قریش کے لیے یہ ایک شدید خطرہ تھا اب انہیں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسلامی جماعت کا اس طرح منظم ہو جانا دراصل ان کے جاہلی نظام کے لیے موت کا پیام ہے، اس کے علاوہ ایک سخت خطرہ اور تھا جس نے انہیں انتہائی بے چین کر رکھا تھا مکے والوں کی معاش کا بڑا دارود مدار یکن اور شام کی تجارت پر تھا شام کو تجارت کا جو راستہ بحر احمر کے کنارے جاتا تھا کہ ملک شام سے قریش کی تجارت کا مال صرف اس صورت میں جاسکتا تھا کہ مدینے میں مسلمانوں کی طاقت کو آخری طور پر کچل ڈالا جائے یہی وجہ تھی کہ ہجرت سے پہلے قریش نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح مدینے میں مسلمان اکٹھنے وہ سکیں لیکن جب ان کی تدبیرنا کام ہو گئی تو اب انہوں نے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے اس ابھرتے ہوئے خطرے کو ہمیشہ کے لیے دباہی ڈالتا چاہیے۔

قریش کی سازش

عبداللہ بن ابی مدینے کا ایک سردار تھا۔ ہجرت سے پہلے مدینے والے اسے اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر چکے تھے لیکن مدینے کے لوگوں نے جب اسلام قبول کرنا شروع کیا اور مکے سے مسلمان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لے آئے تو یہ ایکیم ٹھپ ہو گئی اور عبد اللہ بن ابی کی امیدوں پر پانی پھر گیا اس موقع پر مکہ والوں نے اسے ایک خط لکھا کہ ”تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اس سے لڑو اور اسے اپنے یہاں سے نکال دو نہیں تو ہم سب تم پر چڑھائی کریں گے تمہارے مردوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو لوٹ دیاں بنائیں گے۔“

یہ خط عبد اللہ بن ابی کی ثوٹی ہوئی امیدوں کے لیے کچھ سہارا بنا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بر وقت اس کے شرکوں کے لیے اسے سمجھایا کہ ”کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟“ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس لیے عبد اللہ مجور اپنے برے ارادوں سے باز رہا۔

اسی زمانے میں مدینے کے ریس سعد بن معاذ عمرہ کے لیے مکہ گئے حرم کے

دروازے پر ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ ابو جہل نے ان سے کہا کہ تم تو ہمارے دین کے مرتدوں (مسلمانوں) کو پناہ دو اور ہم تمہیں اطمینان کے ساتھ کے میں طواف کرنے دیں؟ اگر تم امیر بن خلف کے مہمان نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے تھے۔ یہاں کر سعد نے جواب میں کہا ”خدا کی قسم اگر تم نے مجھے اس سے روکا تو میں تمہیں اس چیز سے روک دریں گا جو تمہارے لیے اس سے زیادہ شدید ہے۔ یعنی مدینہ پر سے تمہارا راستہ“ یہ گویا اعلان تھا اس بات کا کہ اگر قریش نے کوئی شرارت کی تو انہیں اپنے اس تجارتی راستے کو جو مدینے کے پاس سے گزرتا ہے اپنے لیے بند کر جانا چاہیے

قریش پر دباؤ

اس وقت قریش مسلمانوں اور اسلامی تحریک کو منڈا لئے کے لیے جو منصوبے بنارہے تھے ان کے پیش نظر ان کو نیچا دکھانے اور مجبور کرنے کے لیے مسلمانوں کے سامنے اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ وہ اس راستے پر اپنا قبضہ کریں اور ان کے لیے شام کی تجارت بند کر دیں۔ یہی ایک دباؤ ایسا تھا جس سے کئے کے لوگ مجبور ہو سکتے تھے چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راہ کے قریب بننے والے یہودی قبیلوں سے مختلف قسم کے معابدے کر کے اطمینان کر لیا اور پھر قافلوں کو دہمکی دینے کے لیے بھی کبھی مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنایا شروع کر دیے۔ ان دستوں کے ذریعہ اگرچہ نہ تو کبھی کوئی کشت و خون ہوا اور نہ کبھی کوئی قافلہ لوٹا گیا لیکن ان کو تھیج کر قریش کو صاف صاف آگماہ کر دیا گیا کہ وہ ایسا جو کچھ بھی قدم اٹھائیں یہ سوچ کر اٹھائیں کہ ہوا کارخ کدھر ہے اگر وہ مسلمانوں کو نیک کریں گے تو انہیں بھی اپنی تجارت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

حضرتی کا قتل

اس دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالات سے برابر با خبر رہنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے۔ تا کہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ قریش کس قسم کی منصوبے بنارہے ہیں۔ رجب سر ۲۰ھ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن خلہ کی طرف بھیجا یہ مقام کے اور طائف کے درمیان واقع تھا آپ نے

حضرت عبد اللہ کو ایک خود رے کر فرما یا تمہارا کرو دوں بعدا سے کھولنا حضرت عبد اللہ نے حسب
ارشادِ خلیل حضور اُن کھانہ کر معاً مخلد میں قائم کرو درمیں کے طلاق کا پیچھا کردا اسے
دو، ان تعالیٰ یک مریٹ کے بھائی شام سے تجارت کوالیے ائے تھے حضرت عبد اللہ نے
ان پڑھلے کیا اور ان میں سے ایک مخفی عمر بن الحضر می سارا گیا درکفوار ہوئے اور مال غیرت صلی
بھی ہاتھ آیا حضرت عبد اللہ نے مہنت آکر یادوں یا اور یہیں فرمایا اور یہیں
الشعلیہ، مسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ہوتے ہاں خوشی کا اظہار
فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی اور یہی اور یہیست کہاں قبول
کرنے سے ایکار فرمادیا"۔

اس واقعہ میں قتل ہونے والا اور دونوں گرفتار ہونے والے بڑے صدر زخاندان کے
لوگ تھے اور اس بنا پر اس واحد نے فریش کو بہت زیادہ مشتمل کر دیا اور خون کا پبلہ لینے کی
اک بیانات قائم ہوئی۔

غزوہ بد ر

یہ حالات تھے کے شعبان ۲۶ (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا
قابلہ جس کے ساتھ تقریباً پچاس ہزار اشرافی کا مال تھا، شام سے واپس آتے ہوئے اس
علاقے کے قریب آیا جو مسلمانوں کی زد میں تھا قابلہ کے ساتھ میں چالیس محافظوں سے
زیادہ لوگ نہ تھے اور اس بات کا ذرخوا کہ کہیں مدینہ کے قریب والے علاقے میں پہنچنے کے
بعد مسلمان اس پر حملہ نہ کر دیں قابلہ کا سردار ابوسفیان تھا اس نے اس خطرے کو محسوس کر کے
ایک شخص کو مکے دوڑا دیا کہ وہ وہاں سے مدد لے کر آئے چنانچہ اس شخص نے مکے میں آکر
ایک شور مچا دیا کہ قابلہ کو مسلمان لوٹ رہے ہیں دوز دمداد کے لیے دوز دے، قابلہ میں جو مال
تھا اس سے بہت سے لوگوں کا تعلق تھا پھر یہ ایک قومی مسئلہ بن گیا چنانچہ اس پکار پر قریش
کے تمام بڑے بڑے سردار لڑائی کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور تقریباً ایک ہزار جوشیلے
جو انوں کی ایک فوج تیار ہو گئی یہ فوج انتہائی جوش اور شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئی کہ
اب مسلمانوں کا خاتمه کر دانا چاہیے تا کہ یہ روز روز کی جھنجٹ ہی بٹ جائے۔ ایک طرف
مال کے بچانے کی خواہش، دوسری طرف پرانی دشمنی اور تعصّب کا جوش غرض یہ کہ لوگ
انتہائی دیوانگی اور غصہ بنا کی کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کے لیے روانہ ہوئے۔

قریش کی چڑھائی

ادھرنی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان حالات کی اطلاعات پہنچ رہی تھیں آپ نے محسوس
فرمایا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اگر اس وقت قریش کو اپنے ارادوں میں کامیابی ہو گئی اور
انہوں نے مسلمانوں کی اس نئی جماعت کو نیچا دکھا دیا تو پھر اسلامی تحریک کے پہنچنے کا سوال
انتہائی مشکل ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ اسلام کی آواز ہمیشہ کے لیے دب جائے مدینہ میں
آئے ہوئے ابھی دو سال بھی نہ ہوئے تھے انصار لڑائی کے معاملے میں نا تحریک کا راستے
یہودیوں کے بھی بہت سے قبلے مخالفت پر آمادہ تھے خود مدینے میں منافقوں اور مشرکوں کی

موجودگی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا ایسے حالات میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر قریش مدینہ پڑھ آئے تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے اور اگر وہ حملہ نہ بھی کریں بلکہ اپنے زور سے قافلے کو بچا کر نکال لے جائیں تو بھی مسلمانوں کی ایسی ہوا اکھڑ جائے گی کہ پھر آئندہ آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے دباینے میں کوئی اندیشہ باقی نہ رہ جائے گا اور وہ قریش کے اشاروں پر مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیں گے ادھر مدینہ کے یہودی منافقین اور مشرکین بھی سر اٹھائیں گے اور مسلمانوں کا جینا دو بھر کر دیں گے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس وقت جو طاقت بھی میرے ہے اسے لے کر مدینہ میں نکلیں اور یہ فیصلہ ہو جائے کہ جیسے کا حق کے سے اور کے نہیں۔

مسلمانوں کی تیاری

یہ فیصلہ کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور پورے حالات ان کے سامنے صاف صاف رکھ دیے کہ ایک طرف مدینے کے شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب میں قریش کا شکر چلا آ رہا ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی ایک تمہیں مل جائے گا بتاؤ تم کس کے مقابلے پر چلتا چاہتے ہو۔ جواب میں بہت سے صحابہ نے یہی خواہش ظاہر کی کہ قافلے پر حملہ کیا جائے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تو کچھ اور ہی تھا اس لیے آپ نے پھر اپنا سوال دہرا�ا اس پر مہاجرین میں سے ایک صحابی مقداد بن عمرو نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! جدھر آپ کو آپ کا رب حکم دے رہا ہے اس طرف چلیے ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم بھی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ ”جاو تم اور تمہارا خدا دونوں لزیں ہم یہاں بیٹھے ہیں (۱)“ مگر اس معاملے میں آخری رائے قائم کرنے سے پہلے انصار کی رائے معلوم کرنا ضروری تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو براہ راست مخاطب کر کے اپنے سوال کو دہرا�ا اس پر حضرت سعد بن معاویہ اٹھے اور کہا ”یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے آپ کی اطاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں پس اے اللہ کے رسول! آپ نے جو کچھ ارادہ فرمایا ہے اسے کر گزریے قسم ہے

اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپؐ ہمیں لے کر سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں اتر جائیں تو ہم میں سے ایک بھی بیچھے نہ رہے گا ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے مقابلے میں بھی جانشیری دکھائیں گے اور بعد نہیں کہ اللہ آپؐ کو ہم سے وہ پچھہ دکھوا دے جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں سخنڈی ہو جائیں پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپؐ ہمیں لے چلیں۔

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلے کے بجائے اشکر ہی کے مقابلے کے لیے چلنा ہے لیکن یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا مسلمانوں کی جماعت قریش کے مقابلے میں بہت کمزور تھی لڑائی کے قابل لوگوں کی تعداد تین سو سے کچھ ہی زیادہ تھی جن میں سے دو تین کے پاس گھوڑے تھے اور اونٹ بھی ستر سے زیادہ نہ تھے لڑائی کا سامان بھی ناکافی تھا صرف سانحہ آدمیوں کے پاس زر ہیں تھیں اسی لیے مسلمانوں میں تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر لوگ دلوں میں ڈر رہے تھے اور انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا جانتے بوجھتے موت کے من میں جا رہے ہیں سورہ انفال کی یہ آیات اسی نقشے کو پیش کرتی ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَ رَبُّكَ مِنْ مَبْيَنٍ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فِرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
لَكَارِهُونَ ه لَا يُجَاهِدُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَانُوا مُسَاقُونَ إِلَى
الْمَوْتِ وَهُمْ يُنْظَرُونَ ه طَوَّا ذِيْعَدَ كُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ إِنَّهَا لَكُمْ
وَتَوَدُّونَ أَنْ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوَكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّقَ الْحَقَّ
بِكُلِّمِتَهِ وَيَقْطَعَ وَابْرَأَ الْكُفَّارِينَ ه لِيُسْبِحُ لِحَقٍّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُجْرِمُونَ ه ﴿الانفال: ۸.۵﴾

”جس طرح (اے نبی!) تیرا رب تھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا، وہ اس حق کے معاملے تھے سے جھگڑا رہے تھے حالانکہ وہ صاف صاف ظاہر ہو چکا تھا، ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہائکے جا رہے ہیں یاد کرو وہ موقع جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کم زد رکرو وہ تمہیں ملے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہے جائے گا ہے یہ بات مجرموں کو کتنی ناگوار کیوں نہ ہو۔

مدینہ سے مسلمانوں کا کوچ

باوجود اس بے سزا سامانی کے ۱۲ رمضان ۲ھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے
بھروسے پتقریباً ۳۰۰ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے
سیدھی جنوب مغرب کی راہی، جدہ سے قریش کا لشکر آرہا تھا۔ ۱۲ رمضان کو بدر کے قریب
پہنچے بدر ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جنوب مغرب کی طرف تقریباً ۸۰ میل کے
فاصلے پر واقع ہے یہاں پہنچنے پر پہتہ چلا کہ قریش کا لشکر دادی کے دوسرے سرے تک آپنچا
ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب یہاں یہ پڑا وڈاں دیا گیا۔

ادھر قریش کا حال سنئے یہ لوگ بڑے ساز و سامان سے نکلے تھے ایک ہزار سے زیادہ
سپاہی تھے اور تقریباً سو سارے ارشیک تھے سپاہیوں کے لیے رسدا کا بہت اچھا انتظام تھا تبہ بن
ربیعہ فوج کا سپہ سالا رہا۔

بدر کے قریب پہنچ کر قریش کے لشکر کو بھی یہ معلوم ہو گیا کہ ان کا تجارتی قافلہ مسلمانوں
کی زد سے باہر ہے اس پر قبیلہ زہرا اور عدی کے سرداروں نے کہا ”اب لڑنا ضروری نہیں“
لیکن ابو جہل نہ مانا زہرا اور عدی کے لوگ اسی بنا پر واپس چلے گئے اور باقی فوج آگے
بڑھی۔

لڑائی کا میدان

لڑائی کے میدان میں جس حصے پر قریش قابض تھے وہ موقع کے لحاظ سے بہتر تھا
زمیں پختہ تھی لیکن جس پر مسلمانوں نے پڑا وڈا لاحقا وہ رستلی تھی اور سپاہیوں کے پاؤں
دھستے تھے رات کو سب سپاہیوں نے آرام کیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات دعا
میں مصروف رہے اور ۱۲ رمضان کو نماز فجر کے بعد آپ نے جہاد پر وعدۃ فرمایا اور اصول
جنگ کے لحاظ سے فوجوں کی صفائی درست کیں روزے اسی سال فرض ہوئے تھے اور یہ
عجیب آزمائش تھی کہ مسلمانوں کو پہلے ہی رمضان میں اپنے سے تین گناہوں کے مقابلے میں
جنگ کے لیے تیار ہونا پڑا اسی رات کو دو باتیں ایسی ہوئیں جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم کا
ظہر تھیں ایک تو یہ کہ مسلمانوں کو سکون کے ساتھ نیند آئی اور صبح نمازہ دم ہو کر اٹھے دوسرے

اسی رات کو بارش ہو گئی بارش ہو جانے سے رستلی زمین سخت ہو گئی اور مسلمانوں کے لیے میدان اچھا ہو گیا اس کے برخلاف اسی بارش سے اس حصے میں کچھ ہو گئی جس میں قریش کا لشکر تھا اور ان کے پاؤں دھنے لگے مسلمانوں کے لیے تالابوں میں پانی جمع ہو گیا جس سے انہوں نے غسل کیا اور وضو وغیرہ کا آرام ہو گیا دل کا برآس اور گھبراہٹ دور ہو گئی اور مسلمان پورے اطمینان کے ساتھ مقابله کے لیے تیار ہو گئے۔

جنگ کی ابتداء

جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو یہ ایک عجیب منظر تھا ایک طرف اللہ پر ایمان رکھنے والے اور اس کے سوا کسی دوسرے کی بندگی اور اطاعت قبول نہ کرنے والے ۳۱۳ مسلمان تھے جن کے پاس لڑائی کا سامان بھی تھیک سے نہیں تھا اور دوسری طرف ساز و سامان سے لیس ایک ہزار سے زائد کافروں کا لشکر تھا جو اس فیصلے کے ساتھ آئے تھے کہ تو حیدر کی اس آواز کو ہمیشہ کے لیے دبا کر ہی دم لیں گے اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے آگے دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! یہ قریش ہیں اپنے سامان غدر کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں اے اللہ! یہ قریش ہیں اب تیری وہ مدد آجائے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا اے اللہ! اگر ہم یہ ج میں بھر جماعت بلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کہیں نہ ہو گی“

اس جنگ میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین کا تھا ان کے اپنے بھائی بیٹے اور رشتے دار مقابله میں تھے کسی کا باپ کسی کا بچا کسی کاماموں اور کسی کا بھائی اسی کی تلوار کی زد میں تھا اور انکو اپنے باتھوں سے اپنے جگر کے نکڑوں کو کاشنا پڑ رہا تھا، اس سخت امتحان میں وہی لوگ ٹھہر سکتے تھے جنہوں نے واقعی پچے دل سے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ جن رشتہوں کو اس نے جوڑا ہے، وہ بس ان ہی کو جوڑیں گے اور جن کو اس نے کامنے کا حکم دیا ہے ان کو کاث پھینکیں گے چاہے وہ رشتے ان کو کتنے ہی عزیز کیوں نہ ہوں لیکن ساتھ ہی انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا اب تک تو عرب کے کفار اور مکے کے مشرکین کی نظر میں ان ”جرم“ بس اتنا ہی تھا کہ انہوں نے ان کے دشمنوں یعنی مسلمانوں کو پناہ دی تھی لیکن اب تو وہ کھل کر

اسلام کی اعانت میں کفار سے جنگ کرنے کے لیے انقلاب نے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے اپنی بستی (مدینے) کے خلاف سارے عرب کو دشمن بنانا تھا جادا کہ ... نے کہ آبادی ایک ہزار سے زیادہ نہیں تھی یہ ہمت وہی لوگ کر سکتے تھے جن کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور آخرت کے پتختہ ایمان نے پورا پورا گھم کر لیا ہو درستہ یوں اس شرمن اپنے مال و جائد اور اپنے بیوی بچوں کو کون سارے عرب کی دشمن کے خطرے میں ... اب لکھنا تھا۔

قریش کی شکست

ایمان کا یہی وہ مقام ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد اللہ کی مدعا ہے۔ اور ضرور آتی ہے چنانچہ بدر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ان ۳۱۳ مسلمانوں کو فرمائی اور ان کے مقابلے میں ایک ہزار ... نہ کے شکر کو ایسی شکست ... وہ کہ تو یا قریش کی ساری قوت ہی نوٹ گئی۔ اس جنگ میں قریش کے قتل بامستہ آؤں اور برگزندہ درختے ہی قید ہوئے۔ ان مارے جانے والوں میں ان کے بڑے بڑے بردار قریبیاں بے شمار ہیں جو ان میں شیبہ، نبی، ابو جبل، زمود، عاص، امہیہ، غیرہ، ناصر، خورستے قاتلے، اور ہر ان داروں کی موسمت ... کی کمر باندھ دی تسلیم ... میں ہے ... اور انہوں نے شکست پائی۔

جنگ میں جو لوگ قید ہو کر آئے، وہ دودو چار چار کر کے صحابہ میں تقسیم کر دیے گئے اور ہدایت کردی گئی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ چنانچہ صحابہ نے ان کو ایسے آرام سے رکھا کہ بہت سے موقعوں پر خود تکلیف انھماں لیکن ان کو تکلیف نہ ہونے دی۔ اس اچھے سلوک نے ان لوگوں کے دلوں کو اسلام کے لیے زم کر دیا اور یہی تحریک کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ بعد کو ان قیدیوں میں سے بہت سے لوگ فدیہ (بدالے میں کچھ مال) دے کر رہا ہو گئے جو غریب تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ اس شرط پر بھی رہا کر دیے گئے کہ وہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

جنگ بدر کے نتائج اور اثرات

بدر کی لڑائی اپنے نتائج اور اثرات کے لحاظ سے بہت اہم تھی یہ لڑائی دراصل اس عذاب الہی کی پہلی قحط تھی جو اسلام کی دعوت قبول نہ کرنے کی سزا میں کفار مکہ کے لیے مقدر ہو چکا تھا اس لڑائی نے یہ ظاہر کر دیا کہ اسلام اور اندر میں دراصل جیتنے کا حق کے ہے اور آئندہ حالات کا رخ کیا ہو گا اس اعتبار سے سلامی زارخ نہ کیا یہ پہلا منیر کہ کہا جاتا ہے قرآن پاک کی سورہ افال میں اس معزکہ پر بہت تفصیل تبصرہ کیا گیا یہ تبصرہ ان نہاد تبصرہ دل سے بالکل مختلف ہے جو دنیوی بادشاہ اور بزرگ اسی لڑائی کے نتیجے کے بعد معاشرہ ہے۔

کرتے ہیں۔

اس تبصرہ کی خصوصیات ایسی ہیں کہ اس پر ذرا تفصیل ہے تہذیب احادیث میں بے اس سے اسلامی تحریک کے مزاج اور مسلمانوں کی زندگی کی پروگرام پر وہ اثر پڑتی ہے۔

جنگ بدر پر تبصرہ اور مومنین کی تربیۃ

(۱) جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اسلام سے پہلے جنگ عرب کا بہت دل پسند مشغله تھا جنگ میں جو مال ہاتھ آتا تھا (ہل غیمت) اس سے انہیں سب سے درج پیشی اور بسا اوقات اسی مال کی کشش ان کی لڑائی کا بہب جاتی تھی لیکن اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد مال و دولت سے بہت بلند تھا اور اس مقصد کو پورے طور پر داول میں بخواہیا بہت ضروری تھا بدر کی لڑائی وہ پہلی لڑائی ہے جس میں مسلمانوں کو امتحان زینا پڑا کہ آیا ان کے دلوں میں اسلامی جنگ کے اصول اور اخلاق پورے طور پر بنیخ چکے ہیں یا انہیں تک غیر اسلامی لڑائیوں کے تصورات داول میں کسی نہ کسی درجے میں موجود ہیں۔

بدر کی لڑائی میں جن لوگوں کے ہاتھ کفار کا جو مال آیا وہ اپنے پرانے طریقہ کے مطابق اسے اپنی ہی ملکیت سمجھ جیئنے اور جو لوگ کفار کا پیچھا کرنے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے میں مصروف رہے ان کو کچھ نہ ملا۔ اس طرح آپس میں کچھ بد مرگی پیدا ہونے لگی یہی موقع تھا کہ اب تحریک اسلامی کے داعیوں کی مناسب تربیت کی جائے چنانچہ انہیں سب سے پہلے صاف صاف یہ بتا دیا گیا کہ مال غیمت دراصل جنگ کا بدلہ نہیں ہے اسے تو ”افال“ سمجھو یعنی مالک کی طرف سے ایک عطا یہ اور انعام جو اصل اجرت کے علاوہ

دیا جاتا ہے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کا اصل بدلہ تودہ ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائیں گے۔ یہاں جو کچھ مل جاتا ہے، وہ کسی کا حق نہیں بلکہ اللہ کی ایک مزید بخشش ہے اس لیے اس بخشش کے بارے میں اتحاقات کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ سب کچھ تو اللہ اور رسول کا ہے وہ جس طرح چاہے اسے تقسیم کرے۔ چنانچہ آگے چل کر اس کی تقسیم کا اصول بھی بنادیا گیا۔ اس طرح جنگ کے سلسلے میں ایک بہت بڑی اخلاقی اصلاح کر دی گئی مسلمان کو ہمیشہ کے لیے بتا دیا گیا کہ وہ دنیا کے فائدے بٹورنے کے لیے بھی تکوار نہیں اٹھاتا ہے بلکہ دنیا کے اخلاقی بگاڑ کو نجیک کرنے کے لیے اور اللہ کے بندوں کو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے وہ مجبوراً اس وقت طاقت کا استعمال کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ مخالف ظاہتیں اس کی آواز کو دبادینے کے لیے طاقت استعمال کرنے پر اتر آئی ہیں اور انہوں نے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اصلاح کونا ممکن بنادیا ہے اس لیے مسلمان کی نظر ہمیشہ اس اصلاح پر رہنی چاہیے جس کے لیے اس نے بیڑا اٹھا رکھا ہے نہ کہ ان مادی فوائد پر جو اس مقصد کے لیے کوشش کرنے میں حاصل ہو ہی جاتے ہیں۔

(۲) اسلامی نظام میں اطاعت امر کی اہمیت ایسی ہے، سمجھنا چاہیے جیسے کسی جسم میں روح آتی لیے مکمل اور بے چون و چر اطاعت پر دلوں کو آمادہ کرنے کے لیے بار بار توجہ دی گئی چنانچہ اس جنگ کے موقع پر بھی مال غنیمت کے سلسلے میں سب سے پہلے مکمل اطاعت کا مطالا بہ کیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ یہ سب کچھ خدا اور اس کے رسول کا ہے اس بارے میں وہ جو کچھ فیصلہ فرمائیں اس پر دلوں کو راضی ہونا چاہیے۔

(۳) عام تحریکوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیروؤں اور کارکنوں کے دل بڑھانے کے لیے ان کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں اور اس طرح شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے جذبہ کو ابھار کر لوگوں کو ایثار اور قربانیوں کے لیے تیار کرتے ہیں چنانچہ بڑے معروکوں یا بڑے کارناموں کے بعد وہ اپنے جانبازوں اور کارکنوں کو خطابات اور تمنہ دیتے ہیں انعامات تقسیم کرتے ہیں اور طرح طرح سے ان کو اونچا اٹھانے کا ایسا انتظام کرتے ہیں کہ ایک طرف تودہ اپنی کارگزاریوں کا بدلہ پا کر مطمئن ہو سکیں اور آئندہ کے لیے اور زیادہ جاں بازی دکھائیں اور دوسری طرف دوسرے لوگوں کے دلوں میں ان ہی کی

طرح او پچا مقام حاصل کرنے کی آرزو پیدا ہو سکے اسلامی تحریک کا مزاج اس کے بالکل خلاف ہے باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے ۳۱۳ سال ہیوں نے ایک ہزار سے زائد اشکر کامن پھیردیا تھا اور باوجود اپنی بے سر و سامانی کے اپنے سے کئی گناہ زیادہ مقابل قوت کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن ان سے یہی کہا گیا کہ وہ اس واقعہ کو اپنی بہادری یا اپنی کارگزاری نہ سمجھیں یہ محض اللہ کا فضل تھا صرف اس کی رحمت اور فضل کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے دشمن کو مار بھگا یا انہیں کبھی اپنے وسائل اور قوت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے ان کی اصل طاقت یہ ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ہمیشہ اس کے فضل کے سہارے میدان میں اتریں یعنی لڑائی کے وقت اخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشنی بھریت ہاتھ میں لے کر شاہست الونوہ (چہرے گزر جائیں) فرماتے ہوئے اسے کفار کی طرف پھینکا تھا اور اس کے بعد ہی مسلمان یکبارگی کافروں پر ثوٹ پڑے اور کافروں کے پیرا کھڑ گئے یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسے دوسرے لوگ اپنی کرامت بتا کر جو کچھ بھی فخر کرتے تھوڑا تھا اور اگر وہ خود ایسا نہ کرتے تو ان کے پیرو معلوم نہیں اس کی بنیاد پر کیسی کچھ باتیں بناتے لیکن خود اللہ نے ان کو قتل کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا کہ "تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا" اور یہ کہ "یہ تو سب کچھ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے (انفال آیت ۷۱) مسلمانوں کو اچھی طرح بتا دیا کہ دراصل سارے کاموں کا انتظام اللہ کے ہاتھ میں ہے جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم اور ارادے سے ہوتا ہے مومن کا کام اللہ پر بھروسہ کرنا اور ہر حال میں خدا اور رسول کی پوری پوری اطاعت کرنا ہے اسی میں ان کا امتحان ہے۔

(۲) اسلامی تحریک میں جہاد ہی وہ آخری امتحان ہے جس میں تحریک کے ہر علم بردار کی پوری پوری جانشی ہو جاتی ہے جب کفر اور اسلام کی کشمکش اس درجے میں پہنچ جائے کہ مومن کو دعوت و تبلیغ کے کام کو باقی رکھنے کے لیے مجبوراً میدان میں اترنا ہی پڑے تو پھر میدان سے واپسی اس کے لیے ممکن نہیں رہتی! اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے میدان سے بھاگنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ یا تو:-

(الف) مومن کو اپنی جان اس مقصد سے زیادہ عزیز ہے جس کے لیے وہ لڑائی جارہی ہے۔

(ب) اس کا یہ ایمان کمزور ہے کہ دراصل موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ ہے اور جب تک اس کا حکم نہ ہو موت آئیں سکتی اور جب اس کا حکم آجائے تو پھر موت ٹل نہیں سکتی۔

(ج) اس کے دل میں ابھی اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے علاوہ کچھ اور آرزوئیں بھی پرورش پار ہی ہیں اور دراصل ابھی اس نے اپنے آپ کو خدا کے دین کو قائم کرنے کے لیے بالکل وقف نہیں کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس ایمان کے ساتھ ان میں سے کوئی بات شامل ہے! سے کس طرح پورا ایمان کہنا جاسکتا ہے اسی لیے اس پہلی اہم جنگ کے موقعہ پر مسلم بیوں کو صاف صاف بتا دیا کہ جنگ سے منہ موڑنا مسلمان کا کام نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم نہ ایسے ہیں جن کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دے سکتی ایک شرک دوسرے والدین کی حق تلفی اور تیرے اللہ کی راہ میں لڑنے جانے والی لڑائی سے منہ موڑ کر بھاگنا۔

(۵) اللہ کی راہ میں پیش قدمی کرنے میں آدمی اس وقت بھی ست ہو جاتا ہے جب دنیاوی تعلقات سے اس کی دل چھی ایک جائز حد سے آگے بڑھ جاتی ہے مال اور اولاد کی صحیح حیثیت سے مسلمانوں کو باخبر کیا فرمایا کہ ”جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں تمہاری آزمائش کا سامان ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے“ (سورہ انفال آیت ۲۸) مال و دولت دے کر اللہ تعالیٰ مومن کی آزمائش کرتا ہے کہ آیا وہ اس کو صحیح مصرف میں لاتا ہے یا نہیں اور یہ کہ کہیں مال کی محبت دل میں اتنی تو نہیں بڑھ جاتی کہ جب اللہ کی راہ میں اس کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو دل تک ہو جائے یا اس کی خاطر حق کی جدوجہد میں کچھ سستی آجائے اسی طرح اولاد بھی انسان کے امتحان، کا دوسرا پرچہ ہے ایک طرف تو مومن کو ان کے جائز حقوق اس طرح ادا کرنا ہیں کہ وہ انہیں اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت کی راہ پر لگانے کی پوری کوشش کرے اور دوسری طرف یہ دیکھنا ہے کہ کہیں ان کی فطری محبت جو اللہ نے ہر انسان کے دل میں رکھ دی ہے بڑھ کر اتنی حاوی تو

نہیں ہو جاتی کہ اللہ کی راہ پر چلنے کے لیے اس کے قدموں کو بوجھل کر دے مال اور اولاد کے سلسلے میں بھی دوسرا امتحان ہے جس کے لیے ہر مومن کو تیار رہنا چاہیے۔

(۱) صبر، ہر تحریک کی جان ہے اور اسلامی تحریک کے لئے تو یہ صفت ایسی ہی ضروری ہے جیسے جسم کے لیے روح ضروری ہے کہ میں مسلمان جن حالات سے گزرے تھے وہاں بھی اس صفت کو زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی طرف توجہ دی گئی تھی لیکن وہاں صورت حال یہ تھی کہ سوائے مظالم برداشت کرنے کی طرف توجہ دی گئی تھی لیکن وہاں صورت حال یہ تھی کہ سوائے مظالم برداشت کرنے کے اور کوئی صورت مسلمانوں کے سامنے نہیں تھی اب تحریک دوسرے مرحلے میں داخل ہو رہی تھی اب از کا اندر یہ شہ بھی تھا کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں کسی پر زیادتی ہو جائے اس لیے ان بد لے ہوئے حالات میں بھی اس صفت کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کا ہتا کید کی گئی فرمایا "اے ایمان لانے والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو نشرت سے یاد کرو امید ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہیں کر۔ ہزارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (سورہ انفال آیت ۲۵، ۳۶) یہاں صبر کے مفہوم میں یہ سب باتیں شامل ہیں کہ:-

(۱) اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھا جائے۔

(۲) جلد بازی و گھبراہٹ اور ہراس سے بچا جائے

(۳) کسی لائق یا نامناسب جوش کو قریب نہ آنے دیا جائے ہر کام نہ دل اور بچے تکلے فیصلوں کے ساتھ کیا جائے۔

(۴) خطرے اور مشکلیں سامنے آئیں تو قدم ڈال گھانہ جائیں۔

(۵) اشتعال اور غیظ و غضب کا شکار ہو کر کوئی غلط کام نہ کر ڈالیں۔

(۶) مصائب کا حملہ ہوا اور حالات بُذر تے نظر آئیں تو بے چینی اور گھبراہٹ کی وجہ سے حواس پر یثاث نہ ہو جائیں۔

(۷) مقصد کے حاصل کر لینے کا شوق اتنا نہ بڑھ جائے کہ جلد بازی میں کسی ناقص تدبیر پر عمل کر دالا جائے۔

(۸) دنیاوی فائدے اور لائج نفس کو اتنا نہ بھالیں کہ اس کے مقابلے میں کمزوری دکھا کر ان فائدوں کی طرف کھنچ جائیں اب ان بد لے ہوئے حالات میں مومنوں کو اپنے صبر کا امتحان کچھ دوسرے طریقوں سے بھی دینا تھا۔

(۹) مقصد کی محبت کا نلبہ بھی کبھی اتنا بڑھ جاتا ہے کہ انسان اس کے مقابلے میں حق اور انصاف کا پورا پورا الحاظ نہیں رکھتا اور سمجھتا ہے کہ مقصد کی خاطر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اسلامی تحریک جو سراسر حق کی بنیادوں پر اٹھتی ہے اپنے پیروؤں کو کسی موقع پر بھی حق اور انصاف سے قدم ہٹانے نہیں دیتی چنانچہ کفر اور اسلام کی اس اہم کشمکش کے موقع پر دوسری اخلاقی اور تربیتی ہدایات کے ساتھ مخالفین سے سیاسی معاملہوں کے بارے میں بھی مسلمانوں کو ایسی ہدایات دی گئیں جو سراسر حق اور انصاف پر منی تھیں ان ہدایات کی روح یہ ہے کہ مسلمان کسی حال میں بھی فتح اور شکست اور مادی فائدوں کو معیار بنا کر معاملہوں کی خلاف ورزی نہ کریں، اللہ پر بھروسہ رکھیں اور پوری دیانت داری کے ساتھ معاملہوں کا پاس کریں چاہے اس کی وجہ سے انہیں خود اپنے بھائی مسلمانوں کی اعتماد سے ہی کیوں نہ ہاتھ اٹھانا پڑے۔

یہ ہیں اس تبصرے کی چند مولیٰ مولیٰ خصوصیات جو بدر کی لڑائی کے بعد قرآن پاک میں اس فیصلہ کن جنگ کے بارے میں کیا گیا ہے ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی تحریک دنیا کی تمام دوسری تحریکوں کے مقابلے میں کس درجہ ممتاز ہے اور وہ اپنے پیروؤں کی تربیت کس انداز پر کرتی ہے۔

غزوه اُحد

اسباب

بدر کی لڑائی میں اگرچہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی لیکن اس جنگ کا مطلب یہ تھا کہ گویا مسلمانوں نے بھڑوں کے چھتے میں پھر مارے تھے بدر کی لڑائی پہلی لڑائی تھی جس میں مسلمانوں نے کفار کا مقابلہ ذلت کر کیا اور کفار کو شکست کھا کر واپس جانا پڑا۔ اس واقعہ نے سارے عرب کو مسلمانوں کے خلاف چونکا کر دیا اور جو لوگ اس نئی تحریک کے دشمن تھے، وہ تو اس واقعہ کے بعد اور زیادہ بھڑک گئے تھے پھر ادھر بدر کی لڑائی میں کئے کے جو سردار مارے گئے تھے ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ہزاروں دل بے چین ہو گئے تھے۔ عرب میں کسی ایک شخص کا خون اکثر پشتوں تک لڑائی کا سبب بناتا تھا اور یہاں تو ایسے بہت سے لوگ مارے گئے تھے جن کے خون کی قیمت سینکڑوں سے بھی ادا نہ ہو سکتی تھی ہر طرف طوفان کے آثار دکھائی دیتے تھے یہود کے وہ قبیلے جن سے اس سے پہلے معاهدے ہو چکے تھے انہوں نے بھی ان معاهدوں کا کوئی پاس اور لحاظ نہیں کیا۔ اور باوجود اس کے ان لوگوں کو خدا، رسالت، آخرت اور کتاب پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے کے لحاظ سے مسلمانوں سے زیادہ قریب ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ان کی ہمدردیاں ایک دمقریش کے مشرکین کے ساتھ دوستہ ہو گئیں اور انہوں نے گھلٹ گھلٹا مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھارنا شروع کر دیا خصوصاً نفیر کا ایک سردار کعب بن اشرف تو اس معاملے میں انہما سے زیادہ کمینگی اور انہی دشمنی پر اتر آیا۔ پتا چہ یہ اندازہ ہو گیا کہ یہودی نہ تو پڑوی ہونے کا لحاظ کریں گے اور نہ ان معاهدوں کا کوئی پاس کریں گے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے۔

ان حالات میں مدینے کی چھوٹی سی بستی چاروں طرف سے خطرے میں گھر گئی

تحتی۔ نیز اندر دنی طور بھی مسلمانوں کی حالت ایک تو یوں ہی کمزور تھی اب جنگ کے بعد تو اور بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

ملکے کے مشرکین کے دلوں میں ایک تو یوں ہی مسلمانوں سے بدلہ لینے کی آگ بھڑک رہی تھی چنانچہ ان کے کتنے ہی بڑے بڑے سرداروں نے بدلہ لینے کی قسمیں کھار کھی تھیں۔ ہر قبیلہ جوش اور غصے سے بھرا ہوا تھا کہ ان حالات میں یہود کی طرف سے کئے والوں کو جنگ پر ابھارنے کی کوششوں نے آگ پر تسلی ڈالنے کا کام کیا اور ابھی بدر کی لڑائی کو مشکل سے سال بھر ہی گزر اتا تھا کہ خبریں مدینہ پہنچنے لگیں کہ کئے کے مشرکین ایک بہت زبردست لشکر لے کر مدینہ پر حملے کے لیے بالکل تیار ہو چکے ہیں۔

قریش کی پیش قدمی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۲۳ھ کے پہلے ہفتہ میں دو صاحبان کو صحیح خبراً نے کے لیے روانہ کیا، انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر تو مدینہ کے قریب ہی آگیا ہے۔ اور مدینے کی ایک چراغاہ ان کے گھوڑوں نے صاف بھی کر ڈالی ہے۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا لشکر کا مقابلہ مدینے میں بھر کر کیا جائے یا باہر نکل کر جنگ کی جائے؟ بعض صحابہ کی رائے تھی کہ مقابلہ مدینے میں ہی کیا جائے۔ لیکن کچھ نو جوان جو شہادت کے شوق سے بے تاب تھے اور جنہیں بدر کی لڑائی میں لڑنے کا موقعہ نہ ملا تھا، اس پر مصر تھے کہ نہیں مقابلہ باہر میدان میں نکلن کر کیا جائے آخر کار ان کے اصرار کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا کہ باہر نکل کر جنگ کی جائے۔

منافقوں کا دھوکہ

قریش نے مدینہ کے قریب پہنچ کر احمد کی پہاڑی پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایک دن بعد جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے روانہ ہوئے ان میں عبد اللہ بن ابی بھی تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہو چکا تھا، اس کے زیر اثر اور بھی بہت سے منافق مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ کچھ دور جا کر عبد اللہ بن ابی اپنے ساتھ تین سو لوگوں کو توز کرالگ کہا گیا اور اب صرف ۲۰۰۰ صحابہ باقی رہ گئے ایسے نازک موقعہ

پر اس کی یہ حرکت ایک بہت سخت نفیا تی حربہ تھا، لیکن جن مسلمانوں کے دل اللہ پر ایمان آخرت کے یقین، اور راہ حق میں شیبد ہونے کے شوق سے پر تھے ان پر اس واقعہ کا کوئی ناگوار اثر نہیں ہوا اور اب یہ بنچے ہوئے مسلمان ہی اللہ کے بھروسے پر آگے بڑھے۔

نوجوانوں کا جوش

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا اور جو کم سن تھے انہیں واپس فرمادیا ان نوجوانوں میں رافع اور سمرہ نامی دونوں عمر بھی تھے نو عمروں کو جب فوج سے الگ کیا جانے لگا تو رافع اپنے بیویوں کے بل کھڑے ہو گئے تاکہ قد میں کچھ اونچے دکھانی دینے لگیں اور لے لیے جائیں۔ ان کی یہ ترکیب چال ٹینی۔ لیکن سمرہ کو شرکت کی اجازت نہ ملی تو اس پر انہوں نے کہا کہ جب رافع لیے گئے ہیں تو مجھے بھی اجازت ملنا چاہیے میں تو ان کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں چنانچہ ان کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے وہنوں میں کشتی کرائی گئی اور جب انہوں نے رافع کو پچھاڑ لیا تو وہ بھی فوج میں لے لیے گئے یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا کس وجہ جذبہ موجود تھا۔

فوج کی ترتیب

احد کا پہاڑ میں سے تقریباً ۲۳ میل پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو اس طرح لگایا کہ پہاڑ پشت پر تھا اور قریش کا لشکر سامنے، پشت کی طرف صرف ایک درہ ایسا تھا جس سے پیچھے کی طرف سے حملہ ہونے کا ذر تھا، وہاں آپ نے عبد اللہ بن جبیر کو پہچاں تیر انداز دے کر مقرر کر دیا اور ہدایت فرمادی کہ ”کسی کو اس درے کے راستے سے آنے نہ دینا اور تم یہاں سے کسی حال میں نہ ہننا اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوئیاں نوچے لیے جاتے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑ نا۔“

قریش کا ساز و سامان

قریش اس موقع پر بڑے ساز و سامان سے آئے تھے، تقریباً ۳ ہزار کی جمیعت اور جنگ کا کافی سامان تھا عربوں میں جس جنگ میں عورتیں شامل ہوتی تھیں، اس میں وہ جان

پر کھیل کر لڑتے تھے، انہیں یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر لڑائی میں ہار ہو گئی تو عورتوں کی بے عزتی ہو گی اس لڑائی کے موقع پر بہت سی عورتیں بھی فوج کے ساتھ تھیں۔ ان میں سے بہت سی تو وہ تھیں جن کے بیٹے اور عزیز لڑائی میں مارے گئے تھے اور انہوں نے مفتیں مانی تھیں کہ وہ ان کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گی۔

لڑائی کی ابتدا

قریش نے اپنی فوج کو بہت اچھی ترتیب دی تھی۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو سب سے پہلے قریش کی عورتوں نے دف پر جوش اور غیرت دلانے والے اشعار پڑھنا شروع کیے تاکہ لڑنے والوں میں بدر کے مقتولین کا غم اور ان کے خون کا ہدایہ لینے کا جوش خوب اپھر آئے۔ اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی۔ شروع میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور قریش کی فوج کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان کی فوج میں ابتری پھیل گئی اور مسلمان یہ سمجھے کہ انہوں نے میدان مار لیا۔ چنانچہ انہوں نے اس ابتدائی فتح کو آخری حد تک پہنچانے کے بد لے مال غیمت لوٹنا شروع کر دیا، اہر جو ذگ درے کی حفاظت پر لگائے گئے تھے انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان لوٹنے میں لگے ہوئے ہیں اور دشمن کے پیروں کھڑے گئے ہیں تو وہ بھی مال غیمت لوٹنے کے لئے لپکے۔ ان کے سردار حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ نے انہیں روکا اور آنحضرت ﷺ کا حکم یاد دلا یا مگر سوائے چند آدمیوں کے اور کوئی نہ رکا۔

قریش کا عقب سے حملہ

خالد بن ولید نے جو اس وقت کافروں کے لشکر کے ایک رسلے کی کمان کر رہے تھے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھی جو درے کی حفاظت کے لیے باقی رہ گئے۔ تھے انہوں نے مقابلہ بھی کیا۔ لیکن وہ کافروں کے اس بلے کو روک نہ سکے اور شہید ہو گئے۔ دشمن یہاں کیک پیچھے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر جو بھاگتے ہوئے لوگوں نے یہ رنگ دیکھا تو وہ بھی پلٹ پڑے اور اب دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ ہو گیا۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو ایسا بوکھلا دیا کہ ایک دم لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور مسلمان تتر بترا ہو کر ادھر ادھر بھاگنے

لگے۔ انتہا یہ کہ گھبراہٹ میں خود مسلمانوں کے ہاتھ سے مسلمان شہید ہو گئے۔ اور اسی گھبراہٹ میں یہ غلط افواہ اڑگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس خبر سے صحابہ کے رہے ہے اوسان خطا ہو گئے اور کتنے ہی لوگوں نے ہمت ہار دی۔

اللہ کی مدد اور فتح

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دس بارہ صحابہؓ اپنے گھرے میں لئے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی بھی ہو چکے تھے صحابہؓ آپؐ کو لے کر ایک پہاڑی کی طرف آگئے اور عین وقت پر مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بصحبت وعافیت موجود ہیں چنانچہ وہ پھر سمٹ کر آپؐ کے گرد جمع ہوئے لیکن اس موقع پر معلوم نہیں کیا صورت پیش آئی اور کس طرح کافروں کے منہ لڑائی سے مزگئے اور وہ اپنی جیت کو مکمل کیے بغیر میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

جب کفار کی منزل دور چلے گئے تو انہیں ہوش آیا اور انہوں نے آپس میں کہا کہ یہ ہم نے کیا غلطی کی کہ مسلمانوں کی طاقت کو بالکل ختم کر دینے کا جو موقعہ ہاتھ آیا تھا، اسے اس طرح کھو دیا اور یوں ہی لوٹ آئے، چنانچہ انہوں نے ایک جگہ تھہر کر مشورہ کیا کہ اب مدینے پر دوبارہ حملہ کرتا چاہیے لیکن پھر ہمت نہ پڑی اور ملکے واپس چلے گئے ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال تھا کہ کہیں دشمن پھرنا پلٹ پڑے چنانچہ آپؐ نے بھی مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ کفار کا پیچھا کرتا چاہیے۔ یہ بڑا نازک موقع تھا مگر جو لوگ چے موسن تھے وہ اللہ کے بھروسے پر پھر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام حمراء الاسد تک دشمن کے پیچھے گئے۔ یہ مقام مدینے سے کوئی ۸ میل کے فاصلے پر ہے لیکن جب معلوم ہوا کہ قریش کے واپس ہو گئے تو آپؐ بھی مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

احمد کی لڑائی میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ ان میں زیادہ تر انصار تھے مدینے کا ہر گھر ماتم کدھہ بنا ہوا تھا اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ ماتم کرنا اور نوحہ کر کے رونا، پیشنا مسلمان کی شان نہیں۔

ابتدائی شکست کے اسباب؛ و مسلمانوں کی تربیت

احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جو پہلے شکست ہوئی، اس میں اگرچہ منافقوں کی تدبیروں اور چالوں کو بھی بڑا دخل تھا مگر ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا بھی حصہ کچھ کم نہ تھا۔ تحریکِ اسلامی جس قسم کا مزاج بنانا اور اپنے کارکنوں کی جیسی تربیت کرنا چاہتی ہے اس کے لیے ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا۔ اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگانے کا یہ دوسرا یہ موقع تھا اور اس موقع پر کچھ نہ کچھ کمزوریوں کا اظہار ہوا مثلاً مال کی محبت میں ڈیونی کو چھوڑ دینا، اپنے ذمہ دار کے احکام کی نافرمانی کرنا دشمن کی طاقت کو ختم کرنے سے پہلے مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو جانا وغیرہ اس لیے اس جنگ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے جنگ کے حالات پر ایسا تبصرہ فرمایا جس میں اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے اندر جو کوتا ہیاں باقی رہ گئی تھیں ان میں سے ایک ایک کو ظاہر کیا اور اسی سے متعلق ضروری ہدایات دیں۔ یہ ہدایات سورہ آل عمران کے آخری حصے میں ملتی ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر کریں گے کیا جاتا ہے تا کہ ایک بار پھر یہ اندازہ ہو سکے کہ اسلامی تحریک میں جنگ کا مقام کیا ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے جنگ کے واقعات اور حالات پر کس طرح روشنی ڈالی جاتی ہے۔

توکل

مسلمان جب مقابلے کے لیے چلے تو ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ جب کہ دشمن کی تعداد تین ہزار تھی اس پر بھی کچھ دور جا کر تین سو منافقین ایک ہم الگ ہو گئے اور اب مسلمان ۷۰۰ ہی رہ گئے لڑائی کا سامان بھی کم تھا اور اب ایک تہائی فوج بھی کم ہو گئی اسی نازک موقع پر کچھ لوگوں کے دل نوٹنے لگے اس وقت صرف اللہ برنا یمان اور اس کی مدد پر بھروسہ ہی تھا جو مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے کے لیے لے گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس موقع پر جو تسلی دی تھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے ”یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بزرگی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ اللہ انکی مدد کے لیے موجود تھا اور مومنوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے آخر اس سے پہلے بد رکی لڑائی میں اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے“ بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ذرتے ہوئے کام کرو تو جس وقت دشمن

تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اس وقت تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتادی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے، (آل عمران آیت ۱۲۲) مسلمانوں کو آخری طور پر سمجھا دیا گیا کہ دراصل مادی قوت پر بھروسہ مسلمان کا کام نہیں اس کی قوت کا اصل سرچشمہ اللہ پر ایمان اور اس کی مدد پر بھروسہ ہے۔

مال کی محبت

احد میں شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین لڑائی کے موقع پر مال کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور دشمن کو پوری طرح مار بھگانے سے پہلے مال کی طرف متوجہ ہو گئے یہاں تک کہ جن لوگوں کے ذمہ درے کی حفاظت تھی، ان سے بھی اس بارے میں کوتا ہی ہو گئی اور اس طرح لڑائی کا پانسہ پلنٹ گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں سے مال کی محبت نکالنے کے لیے اسی موقع پر مال کی محبت پیدا کرنے والے ایک سب سے بڑے سبب کو بھی ختم فرمایا یعنی اسی موقع پر سود کو حرام ٹھہرایا سود کے کار و بار کرنے والوں کے دلوں میں مال کی محبت ایسی رچ بس جاتی ہے کہ وہ ان کو کسی اونچے کام کے لائق نہیں چھوڑتی اسی سے ایک طبقہ میں لائق بخلی خود غرضی اور مال کی محبت پیدا ہوتی ہے اور دوسرے طبقے میں نفرت غصہ اور بغضہ و حسد پیدا ہوتا ہے۔

کامیابی کی ضمانت

اگر ہمتوں کو بلند رکھنے کے لئے کوئی محرک موجود نہ ہو تو ناکامی کے بعد ہمتوں میں کی آئی جاتی ہے احمد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ کچھ لوگوں کے دل نوٹنے لگتے تو اس موقع پر مسلمانوں کو ضمانت دی گئی کہ تم کونہ کم ہمت ہوتا چائے اور نہ غم کرنا چاہیے، جیسی تھماری ہی ہو گی بشرطیکہ تم مومن ہو، تم ایمان پر قائم رہو اور اس کے تقاضے پورے کرتے رہو تمہارا اتنا ہی کام ہے اس کے بعد تم کو سر بلند کرنا اور فکر اور غم سے نجات دینا اللہ کے ہاتھ ہے رہ گئیں یہ وقتی طور پر کچھ تکلیفیں اور یہ شکست تو تمہارے مقابل گروہ کو بھی ایسی

ہی مصیبیں آیا کرتی ہیں جب وہ باطل پر ہوتے ہوئے ہمت نہیں ہارتے تو تم حق پر ہوتے ہوئے کیوں فکر کرتے ہو۔ تم تو جنت کے خواہاں ہو، تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں یوں ہی چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو جانتا ہی نہیں کہ تم میں سے ون اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے ہیں اور کون اس کی خاطر ناخوشنگوار حالات پر صبر کرنے والے ہیں۔ (آل عمران آیت ۱۳۹ تا ۱۴۲)

اسلامی تحریک کا اصل محرک

یوں تو ہر تحریک میں کوئی نہ کوئی مرکزی شخصیت اس تحریک کی جان ہوتی ہے لیکن اصولی تحریکوں کی بقا اور ترقی کا مدار کبھی بھی کسی شخصیت پر نہیں ہوتا بلکہ ان اصولوں کی پختگی اور صداقت پر ہوتا ہے جسے وہ تحریک لے کر اٹھی ہے۔ اسلامی تحریک کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی شخصیتیں جتنی اہم ہوتی ہیں اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں لیکن چونکہ یہ تحریک ایک اصولی تحریک ہے اور اس کی بقا اور ترقی کا مدار خالص ان اصولوں کی قوت پر ہوتا ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اس لیے مسلمانوں کو یہ بات بتانا بھی ضروری تھا کہ کہیں ان کے ذہنوں کے کسی گوشے میں یہ بات نہ پڑی رہ جائے کہ جب تک نبی کامبارک وجود ان کے درمیان موجود ہے اسی وقت تک وہ اللہ کے دین کا علم بلند کریں گے لیکن اگر کسی وقت وہ اس ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی برآہ راست رہنمائی سے محروم ہو جائیں تو وہ اس راہ سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کر لیں گے۔ چنانچہ احمد کے میدان میں جب یہ غلط خبر مشہور ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو کچھ مسلمانوں کے دل چھوٹ گئے اور انہوں نے سوچا کہ جب حضور ہی کا سایہ انٹھ گیا، تو اب لڑ کر کیا کریں گے اس خیال کی اصلاح کے لیے اس موقع پر انہیں یہ سمجھایا گیا کہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مرجاً میں یا قلل کردیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے یاد کھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اجر دے گا (آل عمران آیت ۱۴۲)۔ تم نے جس دین کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اس پر قائم رہنے اور اسے قائم کرنے کے

لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ کے نبی ہمیشہ تمہارے ساتھ موجود رہیں بلکہ یہ تو تمہاری اپنی فلاج و بہبود کا سودا ہے اس پر قائم رہو گے تو خود ہی کچھ پاؤ گے اور اس دین کی اصل قوت وہ سچائی ہے جسے یہ پیش کرتا ہے اس کی سر بلندی کا مدار نہ تمہاری قوتوں پر ہے اور نہ کسی خاص شخصیت پر۔

کمزوری کی جڑ

انسان کی تمام کمزوریوں کی جڑ موت کا ڈر ہے۔ اس موقعہ پر انہیں یاد دلا یا گیا کہ موت کے ڈر سے بھاگنا بالکل فضول ہے، کوئی جاندار اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک اس کی موت کا وقت نہ آجائے۔ اللہ کے اس مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے نہ کوئی مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد ایک لمحہ کے لیے جی سکتا ہے۔ لہذا حکومتوں سے بچنے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں فکر اس بات کی ہوتا چاہیے کہ زندگی کی جو مہلت ملی ہوئی ہے، وہ کا ہے میں صرف ہورہی ہے دنیا کمانے میں یا آخرت حاصل کرنے میں؟ اس لیے جو شخص دنیا کمانے کے لئے اپنی محنتیں لگادیتا ہے تو پھر اسے جو کچھ ملتا ہے، اسی دنیا میں مل جاتا ہے لیکن جو آخرت کے ثواب کے لیے کام کرتا ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ آخرت کا ثواب دے گا جن لوگوں کو اللہ کا دین قبول کرنے اس پر قائم رہنے اور اس کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنے کی نعمت حاصل ہو چکی ہے، انہیں اس سب سے زیادہ قیمتی نعمت کی قدر کرنا چاہیے اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ لگادینا چاہیے، اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلے گا۔ آخرت کی دامنی کامیابی ان کے حصے میں آئے گی اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنی بہترین نعمتوں سے نوازے گا اور وہ اپنے مالک سے بہترین جزا پائیں گے۔

اُحد کی شکست کے بعد

دو ایک قبیلوں کو چھوڑ کر عرب کے تقریباً تمام ہی قبائل اس نئی اٹھتی ہوئی اسلامی تحریک کے مقابل تھے اس تحریک کی زبان کے آبائی مذہب اور رسم و رواج پر پڑتی تھی اس کا تقاضا تھا کہ انسان اخلاقی اعتبار سے بلند ہو اور ان باتوں کو چھوڑے جو عرب میں عام طور پر پھیلیں

ہوئی تھیں مثلاً شراب، جوا، زنا اور لوث مار وغیرہ بدر کی جنگ سے پہلے بہت سے قبلے یہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح اس نئی تحریک کو ختم کیا جائے لیکن بدر میں قریش کی شکست کے بعد ان کی ہمتیں بھی کچھ پست ہو گئی تھیں اور یہ ایک طرح کے تردید میں پڑ گئے تھے کہ اب کیا روئیہ اختیار کیا جائے لیکن احد کی لڑائی کے بعد حالت بدل گئی اور عرب کے بہت سے قبائل اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ایسے چند قبیلوں کے واقعات حسب ذیل ہیں۔

قبائل کی بعد عہدی

(۱) محرم ۳ھ میں علاقہ قلن کے ایک قبلے جو فید نے مدینے پر حملہ کا ارادہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہؓ کو ایک مختصری جماعت کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے روانہ فرمایا اور حملہ کرنے والے بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۲) اس کے بعد اسی مہینے میں کوہستان عمرہ کے ایک قبلے لیجان نے مدینے پر چڑھائی کا ارادہ کیا حضرت عبد اللہ بن انسؓ ان کے مقابلے کے لئے بھی گئے اور ان کا سردار سفیان قتل ہوا اور حملہ کرنے والے واپس ہو گئے۔

(۳) صفر ۴ھ میں قبیلہ کلب کا سردار ابو براء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ چند لوگ میرے ساتھ بھیج دیجیے، میری قوم کے لوگ اسلام کی دعوت سننا چاہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ اس کے ساتھ کر دیے، ان میں سے بہت سے اصحاب صفة (۱) میں ۔۔۔ تھے، ان لوگوں کو قبلے کے رئیس عامر بن طفیل نے گھیر کر قتل کر دیا، اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا صدمة ہوا۔

مہینہ بھر تک نماز فجر میں آپؐ نے ان ظالموں کے لئے بد دعا فرمائی، ان ستر صحابہ میں سے صرف ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ جامیں تجھے اس منت میں آزاد کرتا ہوں جب

مفہہ عربی میں چبورتے کو کہتے ہیں مسجد نبوی کے صحن میں ایک چبورتا ہنا ہوا تھا، جس پر ایسے لوگ قیام کرتے تھے جو گھر بار والے نہ تھے ان کا سعمول تھا کہ کچھ لکڑیاں وغیرہ کاٹ لاتے اور اسی سے گزر کرتے۔ کچھ دوسرے تھا جو بھی ان کی مدد کرتے تھے ان لوگوں کا خاص کام دین کا علم یکھتنا اور عبادت کرنا تھا۔

حضرت عمر بن امیہ واپس آرہے تھے تو راستے میں انہیں عامر کے قبیلے کے دوآدمی ملے آپ نے انہیں قتل کر دیا اور یہ سمجھئے کہ ہم نے قبیلہ عامر کے لوگوں کی بے وفاٰ کا کچھ توبہ لے لیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سخت ناپسند فرمایا کیوں کہ آپ اس قبیلے کے لوگوں کو امان دے چکے تھے اور یہ بات اس اقرار کے خلاف تھی چنانچہ آپ نے ان دونوں کے خون بہا ادا کر دینے کا اعلان فرمادیا۔

اسی طرح اور دو قبیلوں نے بھی اس قسم کی حرکت کی آپ نے ان کے کہنے سے دس صحابہ کو دین کی تعلیم کے لیے ان کے ساتھ بھیج دیا لیکن ان ظالموں نے بد عہدی کی، ان میں سے سات صحابہ کفار سے لڑ کر شہید ہوئے اور تین گرفتار ہو گئے۔ ان میں حضرت خبیث اور حضرت زید بھی تھے دشمنوں نے انہیں سکے میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیث نے احمد کی لڑائی میں ایک شخص حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، حارث کے بیٹوں نے حضرت خبیث کو اس لیے خرید لیا کہ وہ انہیں اپنے باپ کے بد لے میں قتل کریں گے۔ چنانچہ چند روز کے بعد انہوں نے آپ کو شہید کر ڈالا اسی طرح حضرت زید کو صفویان بن امیہ نے قتل کرنے کے لیے خریدا اور خرید کر شہید کر ڈالا۔

اس طرح ایک طرف عرب کے قبیلوں سے برابر ایسی چھیڑ چھاڑ چلی جا رہی تھی جس میں زیادتی مخالفین ہی کی طرف سے ہو رہی تھی اور مسلمان ان کے ظلم برداشت کر رہے تھے ساتھ ہی ساتھ اسی زمانے میں یہود کے ساتھ بھی ایسے معاملات پیش آئے جو مسلمانوں کے لیے کافی پریشانی کا موجب بنے۔

یہودی علماء اور پیروں کی مخالفت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ مدینہ تشریف لانے کے بعد یہودیوں کے قبیلوں سے مختلف قسم کے معاهدے کر کر تھے اور ان کو اطمینان دلا دیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہو گی لیکن یہود کے علماء اور پیر خاص طور پر اسلامی تحریک کی ترقی سے بے چین رہتے تھے اور یہ بلا سبب نہ تھا چند اسباب حسب ذیل ہیں۔

(۱) اب تک مذہبی اعتبار سے یہود کو ایک قسم کی بڑائی حاصل تھی اور سب لوگ ان کو خدا پرستی اور دین داری کے اعتبار سے قابل عزت سمجھتے تھے لیکن اب اسلامی تحریک کے پھیلنے سے ان کی غلط مذہبیت اور پیشہ وارانہ خدا پرستی کی پول کھلتی جاتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ ان کرلوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ واقعی بچی مذہبیت کے کہتے ہیں اور حقیقی خدا پرستی کا مفہوم کیا ہے؟ اس طرح ان عالموں اور پیروں کا "کاروبار" مدد ہم پڑ جاتا تھا۔

(۲) قرآن کریم میں یہود کے عوام اور خاص طور پر ان کے اہل علم اور دین دار قسم کے لوگوں کے اخلاق اور معاملات پر کھلی کھلی تنقیدیں نازل ہو رہی تھیں۔ مثلاً وہ جھوٹ باتوں کے سنتے والے اور حرام مال کے بڑے کھانے والے ہیں۔" (ماائدہ: ۳۶)

"تو ان میں سے اکثر لوں کو دیکھے گا کہ گناہ اور زیادتی کی طرف تیزی سے بڑھنے والے ہیں (ماائدہ آیت: ۶۲)" "یہ سود کھانے والے..... حالانکہ ان کو سود سے منع کر دیا گیا تھا" اور یہ لوگوں کا مال کھا اڑا لیتے ہیں" (نساء آیت: ۱۶۱) اسی طرح کی بہت سی تنقیدیں سورہ بقرہ، ماائدہ اور آل عمران وغیرہ میں موجود ہیں ان سب کو سن کر سوائے چند نیک نفس لوگوں کے ان کے اکثر لوگ چہ اغ پا ہو جاتے تھے اور انہوں نے احمد اور حنبل اسلامی تحریک کی مخالفت پر اتر آتے تھے۔

(۳) اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر انہیں یہ خطرہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن انہیں اس کے آگے سر جھکانا ہی پڑے گا۔

چنانچہ ان ہی اسباب کی بنا پر یہود اسلامی تحریک کے سخت دشمن ہو گئے تھے،

غزوہ بنی قینقاع

سب سے پہلے بدر کی فتح کے بعد یہود نے کان کھڑے کیے اور انہیں یہ اندیشہ صاف دکھائی دینے لگا کہ اب اسلام ایک طاقت بنتا جاتا ہے چنانچہ بدر کی لڑائی کے فوراً بعد ہی شوالیٰ ۲۴ میں یہود کے قبیلے بنی قینقاع نے مسلمانوں کے خلاف لڑائی کا اعلان کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا اس کو توڑ ڈالا۔ اس جنگ کا فوری سبب یہ ہوا کہ ایک یہودی نے ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی۔ ان کے شوہرنے بے تاب ہو کر

ایک یہودی کو ماؤلا اس پر یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملے کو رفع دفع فرمانے کی کوشش کی لیکن یہود نے کہا ہم قریش نہیں ہیں کہ جو بدر میں منہ پھیر کر چلے گئے ہم سے واسطہ پڑا تو دکھادیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں اس طرح جب یہود کی طرف سے معاهدے کی پرواکیے بغیر لڑائی کا اعلان ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی تیاری کی یہود کے قلعہ میں محفوظ کر لیا پندرہ دن کے محاصرے کے بعد یہ طے پایا کہ یہود کو جلاوطن کر دیا جائے چنانچہ سات سو یہود جلاوطن کر دیے گئے۔

کعب بن اشرف کا قتل

یہود میں کعب بن اشرف مشہور شاعر تھا اس نے بدر کی لڑائی کے بعد ایسے اشعار لکھے کہ جن سے مسلمانوں کے خلاف ملکے میں آگ لگ گئی اس زمانے میں شاعروں کا بڑا اثر تھا۔ اس نے بدر کی لڑائی میں قتل ہونے والے قریش کے ایسے پروردہ میں لکھے اور پھر انہیں جا کر ملکے میں سنا یا کہ جو سنتا تھا سر پیٹتا تھا اور روتا تھا، پھر مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجوں اشعار کہے اور لوگوں کو طرح طرح سے آپؐ کے خلاف ابھارا، ایک بار تو ایک دعوت کے بہانے بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کی بھی سازش کی، ان حالات کے پیش نظر آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا ہونا چاہیے۔ چنانچہ آپؐ کی مرضی سے حضرت محمد بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کو ربیع الاول ۳ھ میں قتل کر دیا۔

بنو نضیر کا اخراج

بنو نضیر کے یہودیوں نے کئی معاملات میں بد عہدی کی اور کئی مرتبہ ایسی خفیہ سازیں کیں جن کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے ان کو کے کے قریش نے بھی ابھارا تھا جب ان کی حرکتیں حد سے بڑھ گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا آخر کار مجبور ہو کر بنی نضیر اس شرط پر راضی ہو گئے کہ وہ اپنا جتنا مال و اسباب اونٹوں پر لا دکر لے جائیں لے جائیں اور اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکل جائیں اس معاهدے کی رو سے ان کے کتنے ہی سردار خبر چلے گئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ بہت سا ساز و سامان لے گئے صرف وہی سامان پیچھے چھوڑا ہے یہ

لے جائیں سکتے تھے۔

اب مسلمانوں کے دو نوں دشمن لیجنی شرکیں مرتب خصوصاً کے سکے تریش اور پیروی
مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دا لئے کی ترکیبیں بوپنے لئے اور تراجمانیاں نے مل کر مدینہ پر حملے
کی جایریاں شروع کر دیں ابتدا، میں تو جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ
بناک مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو آپ سلطانوں کی جمعیت لے کر ان
کے مقابلے کے لئے نکلیں دشمن نے مقابله نہ کیا اور پھر اس کی بحراں کی طرف رکھ دیا جسی
اپناداں ارتقائیں ملک تشریف کے لئے اور دوسروی بار پریج الاول دھیمیں دوستہ ابتدا
ہے۔

غزوہ احزاب^(۱)

بنو نصریم دینے سے نکل کر خیر پنجے یہاں انہوں نے اسلام کے خلاف ایک بڑی سازش شروع کی۔ آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ کئے میں جا کر قریش کو لڑائی کے لیے تیار کیا اور کہا کہ اگر سب مل کر حملہ کریں تو اس نئی تحریک کو کچل ڈالا جائے۔ قریش تو اس بات کے لیے تیار ہی تھے چنانچہ یہودیوں کے بہت سے قبیلوں نے اور کئے کے قریش نے مل کر ایک بہت بڑا شکر تیار کیا جس کی تعداد کا اندازہ دس ہزار کیا جاتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اتنے بڑے پیمانے پر مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں اتنی بڑی تعداد سے مقابلہ مناسب نہیں ہے۔ ہمارا شکر کسی محفوظ مقام میں رہے اور اس کے گرد خندق کھود لی جائے تا کہ دشمن بر اہ راست حملہ نہ کر سکے۔ یہ رائے پسند کی گئی اور خندق کھونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

خندق کی تیاری

مدینہ تین طرف سے مکانات اور نخلستان سے گھر ہوا تھا۔ صرف ایک رخ کھلا ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر اسی رخ پر خندق کھونے کا حکم دیا یہ کام ۸ ذوق شعبہ کو شروع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خندق کی داغ بیل ڈالی اور دس دس گزر میں دس دس آدمیوں پر تقسیم کر دی خندق پانچ گزر گہری کھو دنا تھی۔ میں دن کے اندر ۳ ہزار مسلمانوں نے یہ خندق تیار کر لی خندق کھونے کے درمیان آنحضرت

اس غزہ کا نام غزہ خندق بھی کیونکہ اس میں خندق کھود کر اپنا بچاؤ کیا گیا تھا، احزاب عربی میں فوجوں کو کہتے ہیں چونکہ اس میں کفار کی فوجیں ایک ساتھ امنڈ آئی تھیں اس لیے اس غزہ کو غزہ، احزاب بھی کہتے ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم خود تمام لوگوں کے ساتھ کام میں معروف رہے ایک مقام پر اتفاق سے ایک چنان آگئی، وہ کسی طرح نوٹے میں نہ آتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ایک ک DAL ایسا مارا کہ ساری چنان چورا چورا ہو گئی۔ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجزات میں سے ایک مجزہ ہے۔

کفار کا حملہ

کفار کے لشکر نے تمیں حصوں میں تقسیم ہو کر مدینے پر تمن طرف سے حملہ کیا، یہ حملہ انتہائی شدید تھا اس کا نقشہ قرآن پاک میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

”جب دشمن اوپر کی طرف (شرق سے) اور نیشیب کی طرف (مغرب سے) تم پر نوٹ پڑے اور جب آنکھیں بھٹی کی بھٹی رہ گئیں اور کلیعے منہ کو آنے لگے اور تم خدا کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت مسلمانوں کی جانچ کا وقت آگیا اور بری طرح جھنجدوڑا لے گئے“ (سورہ احزاب آیت ۱۰-۱۱)

یہ وقت بڑے ہی سخت امتحان کا تھا، ایک طرف سر دی کا انتہائی سخت موسم، کھانے پینے کے سامان کی کمی، مسلسل کئی کئی وقت کے فاقہ، نہ راتوں کی غیند، نہ دن کا آرام، ہر وقت جان کا خطرہ، مال اور اولاد سب کچھ دشمن کی زد پر، مقابلے میں بے پناہ لشکر کا ہجوم، یہ سب واقعات ایسے تھے کہ اس حالت میں وہی لوگ ثابت قدم رہ سکتے تھے، جن کے ایمان پر اور مضبوط تھے کمزور ایمان والے اور منافقین ان حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی فوج میں جو منافق گھے ہوئے تھے وہ اس موقع پر صاف کھل کر سامنے آگئے ان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ”ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے (فتح و نصرت) جو وعدے کیے تھے وہ سب دھوکا ہی تھا“ (احزاب آیت ۱۲) ان لوگوں نے اپنی جان بچانے کے لیے بہانے ڈھونڈنا شروع کر دیے اور کہنے لگے کہ ”اے یثرب والوواپس چلے چلو، آج تمہارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کہنا شروع کیا، کہ ہمیں تو اجازت دی جائے تا کہ ہم اپنے گھروں پر ہی رہ کر حفاظت کریں، ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں (احزاب آیت ۱۳) لیکن جن لوگوں کے دلوں میں ایمان موجود تھا

اور جو اپنے ایمان کے دعویٰ میں پچھے تھے ان کی حالت اس موقع پر بالکل دوسری تھی انہوں نے جب کافروں کے اس لشکر کو دیکھا تو وہ بول اٹھے یہی تو (حالات ہیں) جن کا وعدہ ہم سے اللہ اور رسول نے کیا تھا۔ اور ان حالات کو دیکھ کر ان کے اندر ایمان کا جذبہ تازہ ہو گیا اور وہ زیادہ اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے تیار ہو گئے۔ ان سخت حالات نے ان کے اندر ذرہ برابر بھی تبدیلی پیدا نہ ہونے دی۔“ (احزاب ۲۳، ۲۲)

وَمِنْ تَقْرِيْبًا اِيْكَ مِيْنَ تِكْ هُجِيرَاً ذَا لَےْ بُزَارِهَا، يِهِ مِحَاصِرَه اِتَّا سُخْتَ تَحَا كَه مُسْلِمَانُوْنَ كَوْتَنَى
تِنَ وَقْتَ تِكْ كَهَانَا مِسْرَنَه آتَاهَا، مِحَاصِرَه اِنْهَائِي شَدِيدَ اور خَطْرَنَاكَ ہو چکا تھا، مِحَاصِرَه كَرَنَے
وَالَّهُ خَنْدَقَ كَوْ پَارَنَيْسَ كَرَسَكَتَنَے تَحَهُ اِسَ لَيْهِ وَهِ دَوْسَرِي طَرْفَ ہِيَ ثَهْرَے ہوئَنَے تَحَهُ آنْخَضْرَت
صَلِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَمَ نَے اپَنِي فَوْجَ كَوْ خَنْدَقَ كَمِ مُخْلَفَ حَصُونَ پِر لَگَادِيَا تَحَا كَفَارَ باَهْرَے سے پَھَرَ اور تَيَّرَ
بِرْسَاتَنَے تَهُ اور ادَھَرَ سے بُجَھِي جواب دِيَا جاتا تھا۔ اس درمیان میں اکاد کا حملے بھی ہو جاتے
تَھَهُ كَبُجَھِي كَفَارَ كَادِبَاً اِتَّا بِرَه جاتا تھا کَه انَّ كَوْ خَنْدَقَ كَمِ اسَ پَارَ رُونَكَنَے کَه لَيْهِ پُورِي
مِسْتَعْدِي سے جَمَ كَرْ مِقَابِلَه كَرَنَا بُزَارَتَه یَهَاں تِكْ كَه دَوَايِكَ بَارِايَا بُجَھِي ہوا کَه نِمازَ تِكْ قَضَا ہو گئِي۔

اللَّهُ كَيْ مَدَد

مِحَاصِرَه جَنَالِمَبا ہوتا جاتا تھا حملہ کرنے والوں کی ہمتیں کم ہوتی جاتی تھیں۔ دس ہزار آدمیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا پھر انہائی سردی اسی دوران میں ایک بار ایسی سخت طوفانی ہوا چلی کہ کافروں کے خیمے اکھڑ گئے، ساری فوج تتر ہو گئی ہوا کیا تھی خدا کا عذاب تھا اور واقعی یہ طوفان اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے رحمت اور کافروں کے لیے عذاب بنایا کہی بھیجا تھا، اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان فرمایا ہے۔ فرمایا:-

”مُسْلِمَانُو! خَدَا كَه اس احسان کو یاد کرو جب کہ فوجیں تم پر ثُوُث پُزیں تو ہم نے ان پر طوفانی آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی (فرشتؤں کی فوج) جس کو تم دیکھنے نہیں سکتے تھے۔“ (احزاب)

چنانچہ کافران حالات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کی قوت ثُوُث گئی۔ یہود نے پہلے کتنی کافی اور جب قریش تہوارہ گئے تو ان کو بھی سوائے واپس جانے کے اور کوئی صورت نظر نہ آئی اور

اس طرح محض اللہ کے فضل اور اس کی غیبی امداد سے مدینے پر جو بادل چھا گئے تھے وہ آپ سے آپ چھٹ گئے اس غزوہ کا ذکر قرآن پاک میں جس انداز میں آیا ہے اور اس میں مسلمانوں کی تربیت اور تذکیرہ کے جو پہلو نمایاں کیے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

اللہ کے فضل پر بھروسہ

موسمن کا ایمان ہے کہ اصل طاقت اللہ کے پاس ہے جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے وہ اپنی کسی کامیابی کو اپنی تدبیروں یا اپنی قوت کا نتیجہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے اللہ کا فضل سمجھتا ہے جیسا کہ واقعتاً وہ ہے احزاب کی لڑائی میں دس بارہ ہزار کاشکر تین ہزار مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور اسے پریشان ہو کر واپس جانا پڑا یہ موقع ایسا تھا کہ ہو سکتا تھا کہ پچھ مسلمان اس طرح ہو چنے لگتے کہ یہ ان کی اپنی تدبیر کا نتیجہ تھا (یعنی خندق کھودنا) اس لیے اس تدبیر پر نازکرنے کا اچھا خاصہ موقع تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت اس کمزوری سے بچانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ”اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب فوجیں تم پر ٹوٹ پڑیں تو ہم نے ان پر طوفانی آندھی بھیجی اور ایسی فوج جسے تم دیکھنے نہیں سکتے تھے“ (احزاب آیت ۹)

اسلامی تحریک کے علم برداروں کے لیے ذہن کی یہی تربیت مطلوب ہے کہ ان کا بھروسہ صرف اللہ کے فضل پر ہو اور صرف خدا کو کار ساز مطلق سمجھتے ہوئے وہ اقامت دین کی جدوجہد میں مسلسل قدم بڑھاتے رہیں، چاہے مقابل کی قوت اور اطاعت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

دعویٰ ایمان کی جانچ

مصادیب کے وقت انسان کے ایمان کی جانچ ہو جاتی ہے۔ اسے خود بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور دوسرے بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس راہ میں کون کس حد تک جنم سکتا ہے جب تک حالات معمولی ہوتے ہیں بہت سے لوگوں کے بارے میں اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ واقعی نصب العین کی محبت اور زندگی کی بازی لگادینے کا فیصلہ کس درجے میں ہے با اوقات خود وہ شخص اپنے متعلق بڑے دھوکے میں بٹتا رہتا ہے لیکن جب کوئی سخت

وقت آتا ہے تو کھرا اور کھوٹا صاف نظر آ جاتا ہے احزاب کی لڑائی نے یہی کام کیا مدنے میں مسلمانوں کے ساتھ اچھی خاصی تعداد میں منافق اور کھوٹے ایمان کے لوگ شامل تھے اور ضرورت تھی کہ عام مسلمانوں کو ان کی صحیح پوزیشن معلوم ہو جائے چنانچہ اس سختی کے وقت ان کا پردہ فاش ہو گیا مسلسل خندق کھونے کا کام کھانے پینے اور آرام سے بے پرواہ کرات دن ایک کر دینا اتنی بڑی جمیعت کے مقابلے کے لیے ہتھیلی پر جان رکھ کر تیار ہو جانا اور پھر بیس بائیس دن تک مسلسل خوف اور اندر یشے کے حالت میں دن کا آرام اور رات کی غیند حرام کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا جن کے دلوں میں سچا ایمان نہ تھا وہ ان سختیوں کی تاب نہ لاسکے اور ان میں سے بہت سے لوگ توبول اٹھے کہ اچھا رسول نے ہم سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا مگر اب تو پانسہ پلناد کھائی دے رہا ہے ہم جان گئے کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ بس ایک دھوکا تھا (سورہ احزاب: ۱۲) اور کچھ نہ بہانے بازی شروع کی اور اپنے گھروں کی حفاظت کا بہانہ کر کے میدان میں ہے کھک گئے لیکن اس کے بال مقابل جن اللہ کے بندوں کے دلوں میں صحیح ایمان موجود تھا انہوں نے ان حالات سے دوسرا ہی اثر لیا انہوں نے جب فوجوں کو امنڈ کر آتے دیکھا تو کہنے لگے ”ٹھیک ہے یہی حالات ہیں جن کی خبر اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں پہلے ہی دے دی تھی یہی تو ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے کیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے کچھ کہا تھا ان حالات سے ان کے اندر ایمان کی قوت اور زیادہ ہو گئی اور وہ زیادہ اطاعت اور فرمان برداری کے لیے

آمادہ ہو گئے“ (احزاب آیت: ۲۲)

کمزوری کی جڑ

جان اور مال کے نقصان کا خوف انسان کی سب سے بڑی کمزوری بلکہ تمام کمزوریوں کی جڑ ہے اسلام اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر جس طرح ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے اس میں بنیادی طور پر یہ عقیدہ شامل ہے کہ موت اور زندگی صرف اللہ کے قبضے میں ہے۔ نفع اور نقصان سب پر اللہ کے ہاتھ ہے کوئی دوسرا ایسا نہیں جو موت کوٹال سکے یا کسی طرح نفع کو نقصان میں یا نتھن کو نفع میں بدل سکے یہی عقیدہ اور یہی ایقان مسلمان کی طاقت کی

بنیاد ہے یہ بنیاد حقنی کمزور ہو گی اتنی ہی کمزوری مسلمان کے ہر کام میں صاف دکھائی دے گی چنانچہ اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے صاف فرمادیا گیا کہ ”اے نبی! ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم موت یا قتل کے ڈر سے بھاگو گے تو بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اور یہ بھی بتا دیجیے کہ (وہ یہ تو سوچیں کہ) اگر اللہ یہ فیصلہ کرے کہ انہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو وہ کون ہے؟ وہ نہیں اللہ سے بچائے گا (اور اگر اللہ کا فیصلہ یہ ہوا کہ) انہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ کون ہے جو اسے روک دے؟ (انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ) اللہ کے سوا وہ کسی کو نہ اپنا حماقی پائیں کے اور نہ مددگار،“ (احزاب آیت ۷۸)

اگر یہ عقیدہ کسی دل میں موجود ہے تو پھر چیچھے قدم پڑنے کا کیا مطلب؟ انسان کو ہر نازک موقع پر اپنے ایمان کی جانچ کرتے رہنا چاہیے بسا اوقات انسان خود اپنے بارے میں دھوکے میں بتلا رہتا ہے اور صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی امتحان کا وقت آتا ہے۔

رسول اللہ کا قابل تقلید نمونہ

اسی جنگ کے ذکرے کے درمیان میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے وہی لوگ موزوں ہو سکتے ہیں جنہیں اللہ کی ملاقات اور آخرت میں ملنے والے انعامات کی امید ہو اور جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتے رہتے ہوں اس موقع پر اہل اسلام کی ہمتیوں کو بلند رکھنے، انتہائی شدید حالات میں ان کے دلوں کو مضبوط بنانے اور پورے استقلال کے ساتھ اللہ کے فضل پر بھروسہ رکھنے کے رسول ﷺ کے استقلال عزم تو کل علی اللہ اور صبر کا جو نمونہ سامنے آیا وہ قیامت تک ان تمام بندگانِ خدا کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے جو اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے آمادہ ہوں اور اس راہ پر قدم بڑھائیں۔ یہ نمونہ ایسا ہے جسے انہیں زندگی کے ہر موز پر سامنے رکھنا چاہیے یہی ان کے لیے اصل مشعل راہ ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینے میں تشریف لاتے ہی یہود کے قبیلوں سے معاهدے کیے تھے۔ کچھ دن تک تو یہود اپنے معاهدوں پر قائم رہے لیکن پھر انہوں نے ان کو توڑنا شروع کر دیا چنانچہ اسی بنیاد پر بنو قریظہ کو ان کے وطن سے نکال دیا گیا لیکن بنو قریظہ نے پھر سے معاهدہ کر لیا اور آنحضرتؐ نے انہیں امن کے ساتھ ان کے قلعوں میں رہنے کی اجازت دے دی۔

جنگ احزاب کے موقعہ پر یہودی قبائل نے بنو قریظہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور وہ بھی جنگ احزاب میں شریک ہو گئے اور ان معاهدوں کا کوئی پاس اور لحاظ نہ کیا جو وہ آنحضرتؐ سے کرچکے تھے۔ جب احزاب کے بادل چھٹ گئے تو آنحضرتؐ نے سب سے پہلے بنو قریظہ کی طرف توجہ فرمائی اور یہ فیصلہ کیا کہ ان کو اس بعد عہدی کی سزا ضرور دی جائے یہ بعد عہدی انہوں نے ایسے موقعہ پر کی تھی جب کہ مسلمانوں پر تمام عرب امنڈ آیا تھا اور ظاہر حالات میں مسلمانوں کے پیختے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی بنو قریظہ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے حق میں اس کھلے ہوئے دشمن سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں۔ جو کھل کر مخالفت کرتا ہے انہوں نے مسلمانوں سے معاهدہ کر کے انہیں اپنے سے مطمئن بھی کر دیا اور پھر وقت آنے پر صاف آنکھیں دکھا گئے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش میں دوسروں کے ساتھ مل گئے چنانچہ ان کے قلعوں کا محاصرہ کر دیا گیا۔ محاصرہ کوئی ایک مہینے تک جاری رہا اور آخر کار مجبور ہو کر بنو قریظہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس موقعہ پر خود توریت کے احکام کے مطابق ان کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ ان کے قابل جنگ لوگ قتل کیے جائیں، باقی گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے اس موقعہ پر تقریباً ۲۰۰۰ افراد قتل کیے گئے جن میں ایک عورت بھی تھی جو اس جرم میں قتل کی گئی کہ اس نے قلعے کی دیوار سے پھر گرا کر ایک مسلمان کو مار ڈالا تھا۔

صلح حد پیغمبر

کعبہ اسلام کا اصل مرکز تھا اسے حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل نے اللہ کے حکم سے تغیر کیا تھا۔ مسلمانوں کو اسلام کے اس مرکز سے نکلے ہوئے اب چھ سال ہو چکے تھے۔ پھر اسلام کے اہم ارکان میں حج بھی ایک اہم رکن تھا اس لئے اب مسلمانوں کی شدید خواہش تھی کہ وہ خانہ کعبہ کا حج کریں۔

خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے سفر

یوں تو عرب والے سال بھر لڑتے رہتے تھے تاہم حج کے موقعہ پر چار مہینوں میں وہ لڑائی بند کر دیتے تھے کہ لوگوں کو کعبہ تک جانے اور واپس آنے کے لئے امن میر آجائے اور اس طرح وہ اطمینان کے ساتھ کعبے کی زیارت کر سکیں۔ ذو قعده ۶ میں آنحضرت ﷺ نے کعبے کی زیارت کا ارادہ فرمایا بہت سے مہا جرین اور انصار اس سعادت کے منتظر تھے کہ کعبے کی زیارت ہو چنانچہ 1400 مسلمان ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے مقام ذوالحکیمہ میں پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسیں ادا کی گئیں۔ اس طرح اس بات کا اعلان ہو گیا کہ مسلمانوں کا ارادہ صرف خانہ کعبہ کی زیارت کا ہے، لڑائی یا حملہ کا کوئی امکان نہیں پھر بھی آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو کہے بھیجا کہ وہ جا کر قریش کے اردوں کی خبر لا لیں وہ خبر لائے کہ قریش نے تمام قبائل کو اکٹھا کر کے کہہ دیا ہے کہ محمد ﷺ کے میں نہیں آسکتے اور یہ کہ وہ سب مقابلے کے لئے تیار ہیں ان لوگوں نے ملکے سے باہر ایک مقام پر اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں اور مقابلے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔

قریش سے بات چیت

آنحضرت ﷺ اس اطلاع کے باوجود آگے بڑھتے رہے اور حد پیغمبر کے مقام پر پہنچ کر قیام کیا کے سے ایک منزل کے فاصلے پر حد پیغمبر نام کا ایک کنوں ہے اور یہی نام اس

گاؤں کا بھی پڑ گیا ہے یہاں قبیلہ خزانہ کے سردار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ قریش نے لڑائی کی تیاری کر لی ہے اور وہ آپؐ کو کسے میں نہ جانے دیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے جا کر کہہ دو کہ ہم تو صرف عمرہ کے خیال سے آئے ہیں لڑائی کرنا مقصود نہیں ہے ہمیں خانہ کعبہ کے طواف اور زیارت کا موقع دینا چاہئے جب یہ پیام قریش کے پاس پہنچا تو کچھ شریروں نے تو کہا کہ ہمیں محمدؐ کا پیام سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن سنجیدہ لوگوں میں سے ایک شخص عروہ نے کہا کہ نہیں تم میرے اوپر بھروسہ کرو اور میں جا کر محمدؐ سے بات کرتا ہوں، چنانچہ عروہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن کوئی معاملہ طے نہ ہو سکا اس دوران میں قریش نے ایک دستہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے بھی بھیج دیا، یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنی مہربانی سے ان کو معاف کر دیا اور یہ چھوڑ دیئے گئے اب یہ طے پایا کہ صلح کی بات چیت کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کو کم بھیجا جائے حضرت عثمانؓ کے تشریف لے گئے لیکن قریش کسی طرح راضی نہ ہوئے کہ مسلمانوں کو کعبے کی زیارت کا موقع دیا جائے بلکہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بھی روک لیا۔

بیعتِ رضوان

یہاں مسلمانوں میں کسی طرح یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اس خبر نے مسلمانوں کو بے چین کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس خبر کو سن کر فرمایا کہ اب تو عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا ضروری ہے، یہ کہہ کر آپؐ ایک بول کے پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے اور یہاں آپؐ نے صحابہ کرامؐ سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم مر جائیں گے، لیکن لڑائی سے منہ نہ موڑیں گے اور قریش سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں گے اس قول و قرار نے مسلمانوں کے اندر عجب جوش پیدا کر دیا اور ان میں سے ہر ایک شوق شہادت میں سرشار کفار سے بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گیا اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے اس کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے اور جن خوش نصیبوں نے اس موقع پر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔

صلح کا معاملہ

مسلمانوں کے اس جوش و خروش کی اطلاع قریش کو بھی ہوئی، ادھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی اطلاع غلط تھی قریش نے سہیل بن عمر کو اپنا سفیر بناء کر بھیجا تاکہ وہ صلح کے بارے میں بات چیت کریں ان سے دیر تک صلح کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی اور آخر کا رصلح کی شرطیں طے ہو گئیں صلح نامہ لکھنے کے لئے حضرت علیؑ بلائے گئے صلح نامہ میں جب یہ لکھا گیا کہ یہ معاملہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے تو قریش کے نمائندے سہیل نے اعتراض کیا کہ لفظ رسول اللہ نہیں لکھنا چاہئے اس پر تو ہمیں اختلاف ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات مان لی اور اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیئے اور فرمایا کہ تم نہیں مانتے تو کیا ہوا لیکن میں خدا کی قسم اللہ کا رسول ہی ہوں جن شرطوں پر صلح ہوئی وہ یہ تھیں۔

1- مسلمان اس سال واپس چلنے جائیں

2- اگلے سال آئیں اور صرف تین دن بھر کر واپس چلنے جائیں۔

3- اختیار لگا کرنے آئیں صرف تکوار ساتھ رکھ سکتے ہیں مگر وہ بھی نیام میں رہے گی باہر نہ نکالی جائے گی۔

4- کے میں جو مسلمان باقی رہ گئے ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر کوئی مسلمان کے میں واپس آنا چاہئے تو اسے بھی نہ روکیں۔

5- کافروں یا مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان کے میں جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

6- قبل عرب کو اختیار ہو گا کہ وہ مسلمانوں یا کافروں میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاملہ کر لیں۔

7- یہ معاملہ دس سال تک قائم رہے گا۔

یہ تمام شرطیں یہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اور ان سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے۔

حضرت ابو جندلؑ کا معاملہ

اتفاق کی بات کہ ابھی صلح نامہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے بیٹے حضرت ابو جندلؓ کے سے کسی طرح بھاگ کر یہاں پہنچ گئے اور بیڑیاں پہنے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ آ کر گر پڑے سب کو اپنی پیتا سنائی اور بتایا کہ صرف اسلام قبول کرنے کی سزا میں ان کو کیسی کیسی تکلیفیں دی جا رہی تھیں۔ ابو جندلؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی حضور ﷺ مجھے کافروں کے پنجے سے چھپڑا کر اپنے ہمراہ لے چلیں سہیل نے یہ دیکھ کہ کہا کہ صلح کے معاهدے کی تکمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ صلح نامہ کی رو سے آپ ابو جندلؓ کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے یہ بڑا نازک موقع تھا کہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا اور فریاد کر رہا تھا کہ اے مسلمان بھائیو کیا تم مجھے پھر کافروں کے ہاتھ میں دے دینا چاہتے ہو؟ تمام مسلمان یہ صورت حال دیکھ کر تڑپ اٹھے حضرت عمرؓ نے تو آنحضرت ﷺ سے یہاں تک کہہ دیا کہ جب آپ اللہ کے پچے نبی ہیں تو پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں خدا کا امیر ہوں اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا خدا امیری مدد کرے گا" غرض یہ کہ صلح نامہ مکمل ہوا ابو جندلؓ کو صلح نامہ کی شرط کے مطابق واپس ہونا پڑا اور اسلام کے نداء کاروں نے اطاعت رسول ﷺ کا ایک سخت امتحان پاس کر لیا ایک طرف بظاہر اسلام کی تو ہیں تھی حضرت ابو جندلؓ کی حالت زارتھی اور دوسرا طرف رسولؐ کی بے چون وجہ اطاعت تھی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو جندلؓ سے فرمایا ابو جندلؓ نے خبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا اب صلح ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بد عہدی نہیں کر سکتے" حضرت ابو جندلؓ کو اسی طرح بیڑیاں پہنے ہوئے واپس جانا پڑا۔

صلح حدیبیہ کے اثرات

صلح نامہ مکمل ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے خود قربانی کی اور بال منذ وائے اس کے بعد صحابہ نے حکم کی تقلیل کی۔ صلح کے بعد آپ تین دن تک حدیبیہ میں نہ ہرے رہے۔ واپسی میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں اس صلح کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اے "فتح میں" یعنی کھلی ہوئی فتح

کہا گیا ہے بظاہر یہ عجیب سی بات ہے کہ جس معاهدے کی رو سے مسلمانوں نے دب کر صلح کی اسے کھلی ہوئی فتح کہا جائے لیکن بعد کے حالات نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ واقعی حدیبیہ کی صلح اسلامی تحریک کی تاریخ میں ایک بڑی فتح کا پیش خیرتھی اس کی تفصیل یہ ہے۔

اب تک مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کی کیفیت برپا تھی اور دونوں فریق کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا کوئی موقع نہ تھا اس صلح کے معاهدے نے اس کیفیت کو ختم کر دیا اور اب مسلمان اور غیر مسلم بے دھڑک مدینہ آتے اور مہینوں وہاں رہ کر مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے اس طرح انہیں اس نئی اسلامی جماعت کے لوگوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا یہاں آ کر وہ عجیب طرح متاثر ہوتے تھے جن لوگوں کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت اور غصہ بھرا ہوا تھا، انہیں وہ اخلاق، معاملات اور عادات میں اپنے لوگوں سے کہیں زیادہ بلند پاتے تھے پھر وہ دیکھتے تھے کہ جن اللہ کے بندوں سے ہم نے لڑائی مولے رکھی ہے ان کے دلوں میں ان کے ظلاف کوئی نفرت اور دشمنی نہیں ہے بلکہ انہیں جو کچھ نفرت ہے وہ ان کے غلط عقائد اور ان کے غلط طریقوں سے ہے۔ مسلمان جو بات کہتے ہیں ہمدردی اور انسانیت سے بھری ہوئی تھی باوجود اتنی لڑائی کے مسلمان ان کے ساتھ انسانی ہمدردی اور حسن سلوک میں کوئی کمی نہ کرتے پھر اس طرح ملنے جلنے کی وجہ سے غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں جو کچھ شکوہ اور اعتراضات تھے ان کے متعلق بھی آپس میں بات چیت کرنے کا خوب موقع ملتا تھا اور غیر مسلموں کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اسلام کے بارے میں کس درجہ غلط فہمیوں میں بتلا کر دیئے گئے تھے غرض یہ کہ اس صورت حال نے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ غیر مسلموں کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچنے لگے اور آپس کی غلط فہمیوں کے جو پردازے ان کے لیڈ وردوں نے ان کے دلوں پر ڈال رکھے تھے وہ سب اٹھنا شروع ہو گئے چنانچہ اس معاهدے کے بعد صرف ڈیڑھ دو برس میں اتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ اس سے پہلے کبھی قبول نہیں کیا تھا اسی دوران میں قریش کے بعض بڑے نامور سردار تک اسلام سے متاثر ہوئے اور غیر مسلموں سے کٹ کر مسلمانوں کے ساتھی بن گئے حضرت خالد بن

ولید اور حضرت مکر و بن العاصی اسی زمانے میں اسلام میں اور اب اسلام کا دائرہ اتنا
بھیل گیا اور اس کی طاقت اتنی نیز رہت ہو گئی کہ بڑی طاقت کو اپنی سوتے صاف نظر
آنے لگی کفار کے لیے اس صورت حال کا اندازہ کرنے کے بوکھلا ڈھوندش کو صاف نظر آئے
گیا کہ وہ اسلام کے مقام پر ملے میں یقیناً بازی ہار خاکہ کے۔ اب انہیں اس کے خلاف ملکی باہی
بتلمش آیا کہ وہ سعادت کے وجود کے بعد کوچھ بے نفع کے بیان کر سکتے ہیں مگر اسے
ذمہ کی سمیت آنے والے اسی اور اس کے بڑے ہتھے ہو گیا تھا کہ وہ فتح کے ساتھ ملکے میں اپنے نامہ پر
کو ٹوکرے نہ کافر آئندہ فتح کے ساتھ ملکے میں اپنے نامہ پر

دوں بارے

سلطین کے نام خیطروں

تیربارم کے نام

الوشنات سے مکالمہ
شہزادیان کے نام



ام کر لھڑ بزم
بجا گئی اور بوڑا

حدیبیہ کی صلح سے کچھ اطمینان ہوا تو آنحضرت ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے کام پر اور زیادہ توجہ فرمائی ایک دن آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو خطاب فرمایا کہ ”اے لوگو اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ میرا پیام ساری دنیا کے لئے ہے اور یہ سب کے لئے رحمت ہے۔ دیکھو عینی کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق سب کو پہنچا دو“

اسی زمانے میں یعنی 6ھ کے آخر یا شروع 7ھ میں آپؐ نے بڑے بڑے بادشاہوں کے نام دعویٰ خطوط بھی تحریر فرمائے، جن کو لے کر مختلف صحابہؓ ممالک کو بھیجے گئے جن دعویٰ خطوط کی تفصیل تاریخ میں ملتی ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں:-

قیصر روم کے نام	حضرت وحیدہ کلبیؓ لے کر گئے
خرود پرویز شاہ ایران کے خط	حضرت عبداللہ بن خرافہؓ کہمیؓ لے کر گئے
عزیز مصر کے نام	حضرت حاطبؓ بن ابی جتفع
نجاشی بادشاہ جیش کے نام	حضرت عمرؓ بن امیہ

قیصر روم کے نام

قیصر روم کے نام جو خط بھیجا کیا وہ یہ تھا:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہے بنام ہر قل جو روم کا رہیں اعظم ہے۔

جو کوئی ہدایت کی پیر دی کرے اس پر سلامتی ہو اس کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی اطلاعات و فرمانبرداری قبول کر لو تو سلامت رہو گے، اللہ تعالیٰ تم کو درگنا اجر دے گا، لیکن اگر تم نے اللہ کی فرمانبرداری سے منہ موز اتو تمہارے ملک کے لوگوں کا گناہ

بھی تمہارے اوپر ہوگا، کیونکہ تمہارے انکار کی وجہ سے ان کو بھی اسلامی دعوت نہ پہنچ سکے گی۔
اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں
ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ پھرائیں اور ہم
میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنارب نہ بنائے لیکن اگر تم اس بات کو ماننے سے منہ موزد تو
ہم صرف کہے دیتے ہیں کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں (یعنی صرف خدا کی اطلاعات اور
بندگی کرنے والے)۔

ابوسفیان سے مکالمہ

حضرت وحیہ کلبیؓ نے یہ خط بصری میں حارث غستانی کو جا کر دیا جو اس وقت قیصر روم
کی طرف سے شام میں حکومت کر رہا تھا اور اس نے اسے قیصر کے پاس بھیج دیا قیصر کو خط طا
تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص ملے، تو اسے پیش کیا جائے، اس زمانے میں ابوسفیان
بے سلسلہ تجارت اس علاقے میں گئے ہوئے تھے قیصر کے لوگوں نے ان کو دربار میں پیش کیا
ان سے جو بات چیت ہوئی وہ یہ ہے۔

قیصر:- میں بھوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان:- وہ شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

قیصر:- کیا اس خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ گزر رہے؟

ابوسفیان:- کبھی نہیں۔

قیصر:- جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا دولت والے؟

ابوسفیان:- کمزور لوگ ہیں۔

قیصر:- اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان:- برابر بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر:- کیا تم لوگوں نے اسے کبھی جھوٹ بولتے بھی پایا ہے؟

قیصر:- اس خاندان میں کسی اور نے بھی بھوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان:- کبھی نہیں۔

قیصر:- کیا وہ عہد و اقرار کی خلاف ورزی کرتا ہے؟

ابوسفیان:- ابھی تک اس نے کبھی عہد اور اقرار کے خلاف کوئی بات نہیں کی ہے اب ایک نیا معاہدہ ہوا ہے (صلح حد پیسہ) اس میں دیکھنا ہے کہ وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

قیصر:- کیا تم نے کبھی اس سے جنگ بھی کی ہے؟

ابوسفیان:- ہاں کی ہے۔

قیصر:- جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان:- کبھی ہم جیتے اور کبھی اس کی فتح ہوئی۔

قیصر:- وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان:- وہ کہتا ہے کہ صرف ایک خدا کی بندگی کرو کسی دوسرے کو کسی طرح بھی اس کا سامنہ بھی نہ بناؤ نماز پڑھو پاک دامتی اختیار کرو چج بولو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور رحمت سے پیش آؤ۔

اس بات چیت کے بعد اس نے کہا کہ ”پیغمبر ہمیشہ اچھے ہی خاندان میں پیا ہوتے میں اگر کوئی دوسرا اس کے خاندان میں نبوت کا دعویٰ کرتا تو ہو سکتا تھا کہ اس کا دعویٰ بھی خاندان کا اثر سمجھا جاتا اور اگر اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ شاید حکومت کی ہوں میں وہ یہ سب کچھ کر رہا ہو اور جب یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ اس نے آدمیوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خدا کے معاملے میں اتنا بڑا جھوٹ گھڑ لیا ہو کہ اسے خدا نے اپنا رسول بنالیا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ پیغمبروں کے ابتدائی پیر و ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں اور سچانہ ہب ہمیشہ بڑھتا ہی رہتا ہے اور یہ بھی چج ہے کہ پیغمبر کبھی کسی سے دھوکا یا فریب نہیں کرتے پھر تم یہ بھی کہتے ہو کہ وہ نماز پاک دامتی اور تقویٰ کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ چج ہے تو مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی دن اس کا قبضہ میری حکومت تک بھی ہو جائے گا مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہو گا میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔“

قیصر کے یہ خیالات سن کر اس کے درباری پادری اور علماء سخت ناراض ہوئے اور یہ

اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں قیصر کے خلاف بغاوت نہ اٹھ کھڑی ہوا سی اندیشے میں وہ روشنی جو قیصر کے دل میں پیدا ہو رہی تھی دب کر رہ گئی تھی ہے حق کو قبول کرنے کی راہ میں دولت اور اقتدار ہی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔

شاہ ایران کے نام

ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے نام جو خط لکھایہ تھا:-

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مُحَمَّدُ اللَّهُ كَرَمُهُ عَظِيمٌ فَارسٌ سَلَامٌ، هُوَ اسْخَصٌ پَرِ جُو ہَدَايَتٌ كَأَبِيرٍ وَهُوَ اورَ خَدَا اورَ اسَ كَرَمٌ پَرِ إِيمَانٌ لَا يَعْلَمُ اورَ يَعْلَمُهُ كُوَّا، هُوَ دَعَى كَهُوَ اللَّهُ كَسَا كَوَافِيَ وَوَسِرَا اللَّهُ كَمِيسٌ هُوَ اسْخَصٌ پَرِ جُو ہَدَايَتٌ كَأَبِيرٍ وَهُوَ اورَ خَدَا اورَ يَعْلَمُهُ كَهُوَ مِنْ تَمَامِ انسَانُوْں کَرَمٌ لَتَنَعَّمُ خَدَا كَي طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں تاکہ ہر تنفس کو میں (اللہ کی نافرمانی) کے برے انجام سے ڈراؤں تم بھی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کرو تم سلامت رہو گئے ورنہ مجوسیوں کا و بال تمہاری گردن پر ہو گا“

خسرو پرویز بڑی شان و شوکت کا باشداد تھا اس کے نزدیک خط لکھنے کا یہ انداز ہی ساخت تکلیف وہ تھا جس میں پہلے خدا کا نام پھر خط بھیجنے والے کا نام اور پھر بادشاہ کا نام لکھا گیا تھا۔ اور وہ بھی بالکل سادہ طریقے سے نہ وہ القاب و آداب اور نہ وہ انداز تحریر جو اس کے وہاں رانج تھا خسرو پرویز اس خط کو دیکھ کر جھلا اٹھا اور بولا میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے ”یہ کہہ کر نامہ مبارک پھاڑ ڈالا اور اپنے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ اس نبوت کے دعویٰ کرنے والے کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کیا جائے۔

یمن کے گورنر نے دو آدمیوں کو خدمت مبارک میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں۔ اس درمیان میں خسرو پرویز کے بیٹے نے اسے قتل کر دیا اور خود سخت کامالک بن بیٹھا جب گورنر کے بھیجے ہوئے دونوں آدمی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو انہیں اپنے بادشاہ کے قتل کا حال کچھ معلوم نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم سے معلوم ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کو اس واقعہ کی خبر دی اور فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور گورنر

سے کہہ دو کہ اسلام کی مکونت شرود کے دارالسلطنت تک پہنچی جب یہ لوگ ملک و اپنے
آئے تو معلوم ہوا کہ رواتی خرودریز کے قتل کی اطاعت درست تھی۔

خواجی اور عمر بن مصطفیٰ کے نام

تقریباً اسی مضمون کا خطاب میں سے کے ارشاد، بیاناتی کو بھی بھیجا کر تھا اس کے جواب میں
اے نے لکھا تھا کہ ”میں کو اسی دعیا ہوں کہ آپ خدا کے یہ پیغمبر ہیں۔ نبیشی نے حضرت
بعضہ کے امام پر اسلام تبلیغ کر کر پھر جسے تھے اور جن کا ذکر اس سے
ہے۔ میں پھر تھسیں کے ذمیں میں آپھی پوچھا ہے۔“

کی اور انہیں تھنھے دے کر دو اپنے کیا۔

حکومت اسلامی کا استحکام

خود بڑھ کر دار کرنے کی پالیسی	☆
خبرپر حملہ	☆
مسلم معاشرے کی تربیت	☆
ادائے عمرہ	☆
فتح کمک	☆
صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی	☆
کے پر حملے کی تیاری	☆
ابوسفیان کی گرفتاری	☆
کے میں داخلہ	☆
کے میں امن کا اعلان	☆
خانہ کعبہ میں داخلہ	☆
فتح کے بعد خطبہ	☆
عام معافی	☆
غزوہ حسین	☆
فتح کمک کا اثر	☆
معز کہ حسین	☆

مذہب سے جب بنو نصیر کے لوگ نکالے گئے تو وہ خیبر میں آ کر آباد ہو گئے خیبر ایک مقام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً 200 میل شمال مغرب کی جانب واقع ہے یہاں یہود نے کئی بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے۔

خیبر اس وقت اسلامی تحریک کی مخالفت کا سب سے بڑا مرکز اور اسلام کے لئے ایک مستقل خطرہ تھا خیبر کے یہودی ہی مدینہ پر اس شدید حملے کا سب سے بڑا سبب بنے تھے۔ جس کا ذکر احزاب کی لڑائی کے تحت ہو چکا ہے پھر جب ان کی یہ چال اللہ تعالیٰ نے نا کام فرمادی تو اس کے بعد بھی مسلسل ایسی ریشہ دوانیاں کرتے رہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلامی تحریک کا قلع قمع ہو جائے، اس مقصد کے لئے عرب کے مختلف قبیلوں اور خصوصاً قریش کے ساتھ ساز باز کرنے کیسا تھا ساتھ انہوں نے مدینہ کے منافقوں کو بھی ابھارا اور انہیں برابر اس بات کے لئے تیار کرتے رہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر ان کی جڑیں کاٹنے کا کام تیز کر دیں تو پھر باہر کے مخالفین حملہ کر کے اسلام کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے مٹا دالیں۔ یہود کی یہ ساری کوششیں آنحضرت ﷺ کے علم میں آتی رہتی تھیں۔ آنحضرت نے کوشش کی کہ کسی طرح یہود سے کوئی مناسب معافیہ ہو جائے اور وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں چنانچہ اس مقصد کے لئے آنحضرت ﷺ نے خود تحریک بھی فرمائی لیکن یہود اپنی سازشوں سے بازنہ آئے یہاں تک کہ انہوں نے مختلف قبیلوں کو یہ پیغام دیا کہ اگر ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم تمہیں اپنے نخلستان کی آدھی پیداوار ہمیشہ دیا کریں گے، غرض کہ یہود کی سازش کے نتیجے میں بہت سے قبیلوں کے ارادے غیر ہونے لگے اور وہ اس بات پر متفق ہونے لگے کہ سب مل کر مدینہ پر حملہ کریں۔

خود بڑھ کر وار کرنے کی پالیسی

اب تک مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے لڑتے تھے ثم ان کو ختم کرنے کے لئے ان پر چڑھ کر آئے اور انہیں اپنی حفاظت میں ہتھیار اٹھانا پڑے اللہ تعالیٰ کی مدد کے شامل

حال ہوئی اور دشمن کو نیچا دیکھنا پڑا، لیکن اب حالات نے دوسرا رخ اختیار کر لیا تھا اس بات کی ضرورت تھی کہ اسلامی تحریک کے لئے جہاں خطرہ ابھرتا دکھائی دے تو اس سے پہلے کہ وہ خطرہ تحریک کو ختم کر دینے کے لئے پوری طرح منظم ہو جائے اس پر بڑھ کر خود وار کیا جائے اور اسے ختم کر دیا جائے اسلامی تحریک کے قیام اور بچاؤ کے لئے جہاں مدافعانہ جنگ کی ضرورت ہے وہاں وقت آنے پر خود بڑھ کر حملہ کرنا بھی نہایت ضروری ہے اسلام ایک نظام ہے زندگی ہے مکمل دستور حیات ہے اس نظام اور دستور کو قائم کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ غیر اسلامی زندگی اور غیر اسلامی دستور حیات کے علم برداروں کی طرف سے جب کوئی حملہ ہو تو صرف اس کا بچاؤ کیا جائے بلکہ اس دستور حیات کو قائم کرنے کے لئے وہ وقت بھی آتا ہے جب دوسرے نظاموں کو اکھازنے کے لئے خود بڑھ کر جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔

جنگ احزاب کے بعد اسلامی تحریک اس دور میں داخل ہو چکی تھی کہ اب صرف دفاعی قسم کی لڑائیاں ہی کافی نہ تھیں بلکہ اب وقت آگیا تھا کہ جب ضرورت پڑے تو خود بڑھ کر خطرے کو دور کیا جائے۔ چنانچہ جنگ احزاب کے ختم ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ”اب ایمانہ ہو گا کہ لوگ ہم پر چڑھ کر آئیں بلکہ اب ہم خود نکل کر حملہ کریں گیا (۱)“

خیبر پر حملہ

اب وقت آگیا تھا کہ خیبر کے یہودیوں کے بڑھتے ہوئے فتنے کو بروقت روکا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خیبر پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہود کی جانب سے جن حملوں کا اندر یشہ تھا ان کو روکنے کے لئے خود مدینے سے نکلے۔ یہ واقعہ محرم 7ھ کا ہے۔ اس حملے کے لئے جوفوج ساتھ تھی اس کی تعداد سولہ سو تھی جن میں دوسووار اور باقی پیدا تھے۔

خیبر میں چھ قلعے تھے اور ان میں میں ہزار سپاہی موجود تھے خیبر پہنچنے پر بھی جب آنحضرت ﷺ کو یقین ہو گیا کہ واقعی یہود جنگ ہی کے لئے آمادہ ہیں اور کسی عنوان پر

(۱) موضع القرآن۔ شاہ عبدال قادر صاحب صورۃ احزاب۔

معاہدے یا صلح کے لئے تیار نہیں ہیں تو آپ نے صحابہؓ کے سامنے جہاد پر ایک خطبہ دیا اور انہیں اللہ کے دین کی خاطر جان کی بازی لگانے کی ترغیب دی تقریباً 60 دن کے محاصرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اس جنگ میں 93 یہودی مارے گئے اور 15 مسلمان شہید ہوئے یہود کا ایک بڑا پہلوان مرحبوب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا اس پہلوان کا مارا جانا ایک عظیم الشان واقعہ تھا یہود کو اس کی طاقت پر بڑا انداز تھا۔

فتح کے بعد یہودیوں نے درخواست کی کہ جو زمینیں اب تک ان کے پاس تھیں وہ اگر ان ہی کے قبضے میں چھوڑ دی جائیں تو وہ مسلمانوں کو آدمی پیدا اوار دیتے رہیں گے آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی آئندہ سالوں میں اس نصف پیدا اوار کو حاصل کرنے کے سلسلے میں مسلمان حاکموں نے جوانا صاف کا طریقہ یہود سے برتا اس نے رفتہ رفتہ ان کے دلوں کو بھی جیت لیا مسلمان حاکم پیدا اوار کے دو ذہیر لگادیتے تھے اور کاشت کا روایتی حق دیتے تھے کہ وہ جس ذہیر کو چاہے پسند کرے۔

مسلم معاشرے کی تربیت

جنگ احمد کے بعد اسلامی تحریک کے لئے بیرونی خطرات جس پیانے پر بڑھ چکے تھے اس کا اندازہ جنگ احزاب اور اس کے بعد کے واقعات سے اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ یہ زمانہ بڑی کشمکش کا زمانہ تھا لیکن اس کے باوجود تحریک اسلامی کے داعی ﷺ جس طرح ایک ہوشیار جزل کی حیثیت سے ان واقعات سے نظر رہے تھے اسی طرح وہ ایک معلم اخلاق اور مرتبی مزکی حیثیت سے تحریک کے علم برادروں کی تربیت بھی فرمارہے تھے اور اس نے اسلامی معاشرے کے لئے جن ضوابط اور قوانین کی ضرورت تھی ان کی تعلیم بھی مسلسل دی جا رہی تھی اس دور کی دو اہم سورتوں یعنی سورہ نساء اور سورہ مائدہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اسلامی کردار اور مسلم معاشرے کی تغیر کے لئے کیسے کیسے اہم قوانین۔

جنگ احزاب کے بعد اسلامی تحریک اس دور میں داخل ہو چکی تھی کہ اب صرف دفاعی قسم کی لڑائیاں ہی کافی نہ تھیں بلکہ اب وقت آگیا تھا کہ جب ضرورت پڑے تو خود بڑھ کر خطرے کو دور کیا جائے چنانچہ جنگ احزاب کے ختم ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ بھی

ارشاد فرمادیا تھا کہ ”اب ایسا نہ ہو گا کہ لوگ ہم چڑھ کر آئیں بلکہ اب ہم خود نکل کر حملہ کریں گے اور رضوا بطب کی تعلیم دی گئی

سورہ نساء 4 و 5 میں مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت نبی کریم ﷺ اس نئی اسلامی سوسائٹی کو کس طرح پرانے جامعی رسم و رواج سے پاک فرما کر اخلاقی تمدن معاشرت معاشرت کے نئے اصول پر منظم فرمائے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت مسلمانوں کو واضح ہدایت دی جا رہی تھیں کہ وہ اپنی شخصی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنی اجتماعی زندگی کو کس طرح اسلام کے طریقوں پر درست کریں۔ انہیں خاندان کی تنظیم کے اصول بتائے گئے نکاح اور طلاق کے بارے میں واضح ہدایات دی گئیں عورتوں اور مردوں کے حقوق معین کر کے سماج کی بہت سی خرابیوں کو دور کیا گیا تھیں اور کمزوروں کے حقوق کی حفاظت کی تاکید کی گئی وراثت کی تقسیم کے اصول بنائے گئے لین دین کے معاملات کی اصلاح کے لئے ہدایات دی گئیں مگر یو جھگزوں کی اصلاح کے طریقے بتائے گئے شراب پینے پر پابندیاں لگائی گئیں طہارت اور پاکیزی کے احکام دیئے گئے مسلمانوں کو بتایا گیا کہ ایک نیک انسان کا تعلق خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے ساتھ ہی ساتھ اہل کتاب کے غلط روایوں اور نامناسب طرز زندگی پر تلقید کر کے ایک طرف اہل کتاب پر ان کی غلطیاں واضح کی گئیں اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو یہ سمجھایا گیا کہ وہ اس قسم کی غلطیوں سے بچتے رہیں۔

اسلامی تاریخ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی درستی کے بغیر اسے باطل کے مقابلے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اسلامی تحریک کے علم برادریوں کو نہ صرف اپنی ذاتی حیثیت میں اخلاقی اعتبار سے باطل پرستوں کے مقابلے میں اونچا ہونا چاہئے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایک ایسا مثالی معاشرہ پیش کریں جو خود زبان حال سے غیر اسلامی معاشرے کے مقابلے میں اپنی برتری ثابت کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے کسی اہتمام اور بناوٹ کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ جب تحریک کے علم برداروں میں تقویٰ اور احسان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو پھر یہی نتائج برآمد ہونے لگتے ہیں ایک نبی کی اصلاحی اور انقلابی تحریک اسی

اعتبار سے دوسری تمام تحریکوں سے ممتاز ہوتی ہے نبی اپنے پیروں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کی طرف اس سے کہیں زیادہ توجہ فرماتا ہے جتنا وہ اپنے مخاطبین میں دعوت کا حق کرنے کے لیے بے چین ہوتا ہے۔ یہ امتیازی خصوصیت خود سورۃ نساء کے مضامین میں بھی موجود ہے۔ سورہ میں جہاں اخلاق، تہذیب اور معاشرت وغیرہ کے بارے میں توانیں بیان ہو رہے ہیں وہاں ہی ساتھ دعوت و تبلیغ کا پہلو بھی سامنے ہے اور مشرکین اور اہل کتاب کو برابر دین حق کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد تقریباً ۷ میں سورہ مائدہ نازل ہوئی۔ حدیبیہ کے صلح نامہ کی رو سے مسلمان اس سال عمرہ نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ یہ بات طے ہو گئی تھی کہ آپ آئندہ سال کعبے کی زیادت کے لیے آئیں گے۔ چنانچہ اس مرحلے سے پہلے کعبے کی زیارت کے مسئلے میں بہت سے آداب بتائے گئے اور انہیں یہ تعلیم دی گئی کہ کافروں کی زیادتی کے باوجود مسلمان اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہ کریں۔

جس زمانے میں سورہ مائدہ نازل ہوئی اس وقت تک مسلمانوں کی حالت کافی بدچکی تھی اب وہ وقت نہیں تھا کہ اسلام کو چاروں طرف سے خطرے ہی خطرے گھیرے ہوئے ہوں جیسے کہ جنگ احمد کے بعد کیفیت تھی۔ بلکہ اب صورت حال یہ تھی کہ اسلام کی اپنی ایک طاقت تھی اور اسلامی ریاست کافی پھیل چکی تھی مدینہ کے چاروں طرف ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سو میل تک تمام مخالف قبیلوں کا زور ٹوٹ چکا تھا اور مدینے کو یہودیوں سے جو ہر وقت کا خطرہ تھا اس کا بھی خاتمه ہو چکا تھا جہاں کہیں یہودی باتی بھی تھے وہ سب مدینے کی ریاست کی ماحصلی قبول کر چکے تھے غرض یہ کہ اب صاف نظر آنے لگا تھا کہ اسلام محض چند عقائد کا مجموعہ ہی نہیں ہے جسے عام اصطلاح میں ”ذہب“ کہا جائے اور جس کا تعلق صرف انسانوں کے دل اور دماغ سے ہی ہو بلکہ وہ ایک مکمل نظام زندگی ہے جس کا تعلق انسان کے دل اور دماغ کے ملاوہ اس کی پوری زندگی سے ہے۔ جس میں حکومت اور ریاست صلح اور جنگ سب کچھ شامل ہے پھر یہ بھی واضح تھا کہ اب مسلمان اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ انہوں نے جس نظام زندگی یعنی دین کو سوچ سمجھ کر قبول کیا تھا اس پر خود بھی بلا کسی روک ٹوک کے

زندگی بس رکھیں اور کوئی دوسرا نظامِ زندگی یا قانون ان کا راستہ نہ روک سکے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اس دین کی طرف دوسروں کو دعوت بھی دے سکیں۔

اس وقت تک مسلمانوں کی اپنی ایک تہذیب بن چکی تھی جو دوسروں سے ممتاز ہوتی جا رہی تھی ان کے اخلاقی، ان کے رہنے سبھے کے طریقے، ان کے معاملات غرض یہ کہ ان کی زندگی کا پورا ڈھانچہ اسلامی اصولوں کے تحت ڈھلتا جا رہا تھا اور اب وہ دوسروں کے مقابلے میں بالکل خلی ہوئی امتیازی حیثیت میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ ان کے اپنے دیوانی اور فوجداری کے قوانین تھے۔ اپنی عدالتیں تھیں لیں دین اور خرید و فروخت کے اپنے طریقے تھے۔ دراثت کا ایک مستقبل قانون، طلاق، زناج، پرده اور اسی قسم کے دوسرے معاملات کے لیے ان اپنے قوانین اور ضابطے تھے۔ انتہا یہ کہ ان کے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے ملنے کے آداب کے بارے میں بھی واضح ہدایات موجود تھیں اور ان تمام چیزوں نے مل کر اسلامی معاشرے اور اسلامی طریقہ زندگی کو کو دوسرے تمام غیر اسلامی معاشروں سے ممتاز بنادیا تھا اور یہ سب اس تربیت اور تعلیم کا نتیجہ تھا جس کی طرف رسول ﷺ پوری توجہ فرمائی ہے تھے اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی زندگیاں پاکیزہ سے پاکیزہ تر ہوتی جا رہی تھیں۔

سورہ مائدہ میں سفر حج کے آداب، کھانے پینے کی چیزوں میں حرام اور حلال کی تمیز، وضو، غسل اور تمیم کے قاعدے شراب اور جوئے کی حرمت، قانون شہادت کے بارے میں ہدایات اور عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تائید وغیرہ، سب ایسے موضوع ملتے ہیں جو اسلامی معاشرے کی تعمیر کے لئے از بس ضروری تھے اور ان سب کی طرف پوری توجہ دی جا رہی تھی۔

اوائے عمرہ

حدیبیہ کے صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان اگلے سال آکر عمرہ کر سکیں گے۔ چنانچہ اگلے سال یعنی 7ھ میں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ کعبے کی زیارت کی اس موقع پر صحابہ پر مسرت اور جوش کی ایک عجیب کیفیت طاری تھی اس منظر نے کفار قریش کے دلوں میں دلی ہوئی حسد اور تعصّب کی آگ کو بھڑکا دیا اور اب انہیں اپنا وہ صلح نامہ جس میں انہوں نے اینی خواہش کے مطابق اپنا پیله بھاری رکھا تھا، بیچ نظر آنے لگا۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی

حدیبیہ کے صلح نامہ کی رو سے عرب کے قبیلوں کا یہ حق تسلیم کیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں یا قریش جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کر لیں چنانچہ اسی شرط کی بناء پر قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا اور قبیلہ بنو بکر قریش کا ساتھی بن گیا تھا، تقریباً ۷ ہزار سال تک تو اس معاہدے پر پوری طرح عمل ہوتا رہا لیکن اس کے بعد ایک نیا واقعہ پیش آیا کہ خزاعہ اور بنو بکر کے قبیلے جو عرصہ سے آپس میں لڑتے رہے تھے ان کے درمیان پھر لڑائی چھڑ گئی، جس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بنو بکر نے خزاعہ پر چڑھائی کر دی اور قریش نے بنو بکر کی امداد کی، کیونکہ وہ پہلے ہی اس بات پر خزاعہ سے ناراض تھے کہ انہوں نے ان کی مرضی کے خلاف مسلمانوں سے کیوں معاہدہ کیا تھا غرض یہ کہ دونوں نے مل کر قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ جب انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو وہاں بھی ان کو نہ چھوڑ اور حرم میں بھی خزاعہ کا خون بھایا گیا۔

خزاعہ نے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو حالات سے باخبر کیا اور اس معاہدے کی بنیاد پر جو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا تھا، مدد کے طلب گار ہوئے آپ ﷺ نے خزاعہ کی مظلومی کا حال سنات تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ وہ اپنی حرکت سے بازاً میں اور ان تین شرطوں میں سے کسی ایک کو قبول کریں۔

(1) خزاعہ کے جو لوگ مارے گئے ہیں، ان کا خون بھا ادا کیا جائے یا

(2) قریش بنو بکر کی حمایت نہ کریں یا پھر

(3) اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا صلح نامہ ختم ہو گیا۔

قاصد کے ذریعہ یہ پیام من کر قریش میں سے ایک شخص قرطہ بن عمر نے کہا کہ ”ہمیں

صرف تیری شرط منظور ہے، "قادد کے چلے جانے کے بعد انہیں افسوس ہوا اور انہوں نے پھر اپنی طرف سے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی تجدید کرائیں لیکن آنحضرت ﷺ کی جو حالات معلوم ہو چکے تھے ان کی بنیاد پر نیز قریش کے اب تک کے روایہ کے پیش نظر ان کی اس بات پر اطمینان نہ ہوا اور آپؐ نے ابوسفیان کی بات منظور نہ فرمائی۔

ملکے پر حملے کی تیاری

خانہ کعبہ تو حید خالص کا وہ مرکز تھا جسے حضرت ابراہیم نے خالص خدا کی عبادت کے لئے تعمیر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی تک مشرکوں کے قبضے میں تھا اور شرک کا سب سے بڑا گزہ ہے ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم کے دین کے دائیٰ تھے اور خالص تو حید کے علم بردار اس اعتبار سے لازم تھا کہ تو حید کے اس مقدس مرکز کو شرک کی تمام گندگیوں سے جلد سے جلد پاک کیا جائے لیکن ابھی تک حالات نے اس کی اجازت نہیں دی تھی مگر اب آنحضرت ﷺ نے یہ اندازہ فرمایا کہ اب وقت آگیا ہے کہ اللہ کے اس مقدس گھر کو صرف اسی کی عبادت کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور بت پرستی کی تمام ناپاکیوں سے اس گھر کو پاک کر دیا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان تمام قبیلوں کے پاس پیغام بھیجے جن سے محاہدے تھے اور اس بات کی احتیاط فرمائی کہ کے والوں کو اس تیاری کی خبر نہ ہونے پائے جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے 10 رمضان 8ھ کو کے کی طرف کوچ فرمایا تقریباً دس ہزار جان شاروں کا نہایت شان دار لشکر ساتھ تھا اور راستے میں عرب کے دوسرے قبلے بھی آ کر ملتے جاتے تھے۔

ابوسفیان کی گرفتاری

اسلامی لشکر جب کے کے پاس پہنچا تو ابوسفیان جو نجہپ کر لشکر کا اندازہ کر رہے تھے، گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ یہ وہی ابوسفیان ہیں جو اب تک اسلام کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے انہوں نے ہی بار بار مدینے پر حملے کی سازشیں کی تھیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کرانے کی خفیہ مدد ایر بھی کی تھیں یہ سب

باتیں ایسی تھیں کہ ابوسفیان کو فوراً ہی قتل کر دینا چاہئے تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے ان پر مہربانی کی نظر ڈالی اور فرمایا کہ ”جاوَ آج تم سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی اللہ تھیں معاف کرے وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ ابوسفیان کے ساتھ یہ معاملہ بالکل ہی انوکھا معاملہ تھا حمت للعابین کی اس رحمت نے ابوسفیان کے دل آنکھیں کھول دیں اور انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ مکے پر فوج لے کر آنے والا نہ تو اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے لئے ان کے خون کا پیاسا ہے اور نہ دنیاوی بادشاہوں کی طرح مغرور و متکبر ہے یہی وجہ تھی کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کو آزاد کر دیا لیکن وہ مکے واپس نہ گئے بلکہ اسلام قبول کر کے آنحضرت ﷺ کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔

مکے میں داخلہ

اب آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا کہ تم کے کی ایک جانب سے داخل ہو، لیکن کسی کو قتل نہ کرنا ہاں اگر کوئی تم پر ہاتھ اٹھائے تو اپنے بچاؤ میں تمہیں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے اور خود آنحضرت ﷺ دوسری جانب سے داخل ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی فوج کے مقابلے میں کچھ قریش قبیلوں نے تیر بر سائے اور مسلمانوں کے تین افراد کو شہید کر دیا، اسی لئے حضرت خالدؓ بھی مقابلہ کرنا پڑا اور حملہ کرنے والوں کے 13 افراد قتل ہوئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو جب حضرت خالد کے حملے کی خبر ہوئی تو آپ نے ان سے باز پرس کی لیکن جب اصل واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا ”قضائے الہی یہی تھی“ دوسری طرف سے آنحضرت ﷺ کے میں بلا کسی مزاحمت کے داخل ہوئے اور آپؐ کے لشکر کے ہاتھوں کوئی قتل نہ ہوا۔

مکے میں امن کا اعلان

آنحضرت ﷺ نے مکے میں داخل ہوتے ہی اعلان فرمادیا کہ:-

1- جو کوئی اپنے مکان کے اندر کواڑ بند کر کے بیٹھ رہے، اسے امن ہے۔

2- جو ابوسفیان کے مکان میں داخل ہو جائے اسے بھی امن ہے۔

3- اور جو کوئی خانہ کعبہ میں پناہ لے، اسے بھی امن ہے۔

لیکن اس عام امن کے اعلان سے ایسے چھسات آدمیوں کو مستشی فرمادیا تھا جو اسلام کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے اور جن کا قتل کر دینا ہی ضروری تھا۔

نبی کریم ﷺ کے میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آپ کا علم پید رنگ کا تھا اور پرچم سیاہ رنگ کا، سر پر مغفر اوڑھے ہوئے تھے اور اس پر سیاہ عمامہ بندھا تھا سورہ "اتا فتحنا" بلند آواز سے تلاوت فرمائے تھے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ جس اونٹ پر آپ سوار تھے اس پر آپ اس قدر جھکے ہوئے تھے کہ چہرہ مبارک اونٹ کی پیٹھ پر لگ لگ جاتا تھا۔

خانہ کعبہ میں داخلہ

آنحضرت ﷺ جب مسجد حرام (کعبہ) میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے حکم دیا کہ تمام بت نکال کر پھینک دیئے جائیں اس وقت کعبہ میں 320 بت موجود تھے۔ دیور اروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں پہ بھی سب منائی گئیں اور اس طرح اللہ کے اس گھر کو شرک کی گندگی سے پاک کیا گیا اس کے بعد آپ نے تکبیریں کہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف فرمایا اور مقامِ ابراہیم پر جا کر نماز ادا کی بس یہ تھاخ کا جشن جسے دیکھ کر کے والوں کی آنکھیں کھل گئیں انہوں نے دیکھا کہ ایک ایسی خوشی اور ایسی زبردست فتح کے موقع پر بھی ان لوگوں میں نہ شان و شوکت کا اظہار ہے اور نہ غرور و تکبیر کی باتیں بلکہ انتہائی عاجزی اور شکر کے ساتھ یہ اپنے خدا کے سامنے جھکے جاتے ہیں اور اسی کی حمد اور تکبیر میں مست ہیں کون تھا جو اس منظر کو دیکھ کر یہ نہ کہہ اٹھتا کہ حقیقت میں یہ نہ بادشاہی ہے اور نہ ملک گیری بلکہ یہ کچھ اور ہی ہے۔

فتح کے بعد خطبہ

فتح مکہ کی تکمیل کے بعد آپ نے ایک نہایت اہم تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس کے کچھ حصے احادیث میں لفظ ہوئے ہیں آپ نے فرمایا:-

"ایک اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ چا کیا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جھوٹوں کو تہا کر دیا، ہاں سن لو تمام مفاخر، تمام

پرانے قتل اور خون کے بد لے اور تمام خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبے کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانا اس سے مستثنی ہیں اے اہل قریش! اب خدا نے جاہلیت کا غرور اور نسب پر فخر کرنا منادیا تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم حمیت سے بنے تھے۔

پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:-

”لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبلے اور خاندان بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ، لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پر ہیزگار، واللہ جانے والا اور باخبر ہے۔“ (حجرات-20)
اسی کے ساتھ چند دوسرے مسائل کی بھی تلقین کی۔

یہ ہے اس تقریر کا انداز جو اسلام کے فاتح اعظم نے اپنی سب سے بڑی فتح کے بعد کی اس میں مخالفوں کے خلاف نہ کوئی غصہ ہے نہ نفرت، نہ اپنے کارناموں کا ذکر ہے اور نہ اپنے جان شاروں کی تعریف تعریف، جو کچھ ہے وہ بس ایک اللہ کے لئے ہے جو کچھ ہوا وہ سب اسی کے فضل کا نتیجہ ہے۔

عرب میں قتل کا بدلہ لینے کی بڑی اہمیت تھی۔ خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا، تو اس خاندان کی یادداشت میں اس واقعہ کو محفوظ کر دیا جاتا اور برسوں کے بعد بھی آنے والی نسلیں جب تک قاتل کے خاندان سے مقتول کا بدلہ نہ لے لیتیں، انہیں چین نہ آتا۔ اس موقع پر آپ نے ایسے تمام خون کے بدلوں کو ختم کر دیا، یوں کہیے کہ عرب کو صحیح معنوں میں ایک امن اور چین کی زندگی عنایت فرمادی پھر عربوں میں خاندان اور نسل پر فخر کرنا ایک بہت پرانی بیماری تھی، اسلام کے نزدیک انسان اور انسان میں کوئی امتیاز اس کے سوا درست نہیں ہے کہ کون اللہ کے احکام کا کس درجہ میں اطاعت گزار ہے، جو جتنا اللہ کے احکام کا پابند اور اس کی ناراضی سے ڈرنے والا ہے وہ اتنا ہی بزرگ اور شریف ہے نسل کی شرافت اسلام میں کوئی چیز نہیں ہے خاندانوں کا تعلق صرف ایک دوسرے کے تعارف کے لئے ہے اللہ کے رسول نے اس موقع پر اس بیماری کو بھی ختم فرمادیا اور تمام

انسانوں کے درمیان اس مساوات کا اعلان فرمادیا جو آج تک اسلام کے سوا کسی دوسرے
نہ ہب نے انسانوں کو نہیں دی ہے۔

عام معافی

جس مجمع کے سامنے آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرمائے تھے اس میں قریش کے
بڑے بڑے سرکش موجود تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے اسلام کو منانے کا بیڑا انھایا تھا، وہ
بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو اتناستا یا تھا کہ وہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے وہ بھی
تھے جنہوں نے مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت
ﷺ کو گالیاں دی تھیں۔ آپؐ کے راستے پر کانے بچھائے تھے آپ ﷺ پر کوڑے کے
ٹوکرے ڈالے تھے اور انہا یہ کہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہوئے تھے ان ہی میں
آنحضرت ﷺ کے پیچا کے وہ قاتل بھی تھے جو ان کا لیجہ نکال کر چبائے تھے اور وہ بھی تھے
جنہوں نے بہت سے مسلمانوں کو صرف اسی لئے قتل کیا تھا کہ وہ ایک خدا کی بندگی کا اعلان
کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سب کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ ”کہو آج تم جانتے ہو
کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟“ یہ لوگ دیکھے چکے تھے کہ اللہ کے رسولؐ
نے کئے میں کس طرح قدم رکھا ہے۔ اور ان کا اب تک کارویہ کیا رہا ہے۔ فوراً بول اٹھے کہ:-

”آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے“

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

”جاو آج تم پر کوئی الزام نہیں تم سب آزاد ہو“

جن لوگوں نے مسلمانوں کے چھوڑے ہوئے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا آپؐ نے ان کو
بھی واپس نہیں کرایا، بلکہ مہاجریوں سے فرمایا کہ وہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں۔
نبی کریم ﷺ کے اس غیر معمولی بر تاؤ کا یہ اثر ہوا کہ بڑے بڑے سرکش قدموں میں
تھے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ واقعی آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ ملک فتح کرنے والے
بادشاہ نہیں ہیں۔ اور آپؐ جو دعوت دیتے ہیں وہی حق ہے۔ یہ تھا فتح کمکان نقشہ۔ یہ فتح زمین
جائیداد اور مال پر فتح نہ تھی بلکہ اس کے ذریعہ دلوں کو جیت لیا گیا اور یہی بڑی فتح تھی۔

غزوہ حنین

فتح مکہ کا اثر

آنحضرت ﷺ کے رحیمانہ برتا اور مسلمانوں کے میل جوں سے ایک طرف تو کئے میں لوگ جو ق در جو ق اسلام قبول کرنے لگے اور دوسری طرف مکہ فتح ہونے کا اثر تمام عرب قبیلوں پر یہ پڑا کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ واقعی اسلام کی طرف دعوت دینے والا کوئی حکومت اور دولت کا بھوکا نہیں ہے بلکہ اللہ کا پیغمبر ہی ہے پھر اس وقت تک اسلام اور اس کی خصوصیات کوئی ڈھکی چیز نہ رہ گئی تھیں بلکہ تقریباً تمام عرب حاصل گیا تھا کہ یہ دعوت کیا ہے اور جن لوگوں کے دلوں میں صلاحیت تھی وہ جانتے تھے کہ حق یہی ہے۔ چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی عرب کے گوشے گوشے سے مختلف قبیلوں کے وفاداً نے لگے اور اسلام قبول کرنے لگے یہ صورت حال ایسی تھی کہ ابھی جن لوگوں کے دلوں میں اسلامی تحریک کے خلاف نفرت اور غصہ موجود تھا۔ وہ اس کیفیت کو دیکھ کر انہائی بے چین ہو گئے ان کے اندر تعصب اور مخالفت کی آگ بھڑک انہی، اس اعتبار سے ہوازن اور ثقیف نامی دو قبیلے پیش پیش تھے یہ دیے بھی بہت لازمی دے لے لوگ تھے اور اسلام کی ترقی دیکھ کر انہائی بے چین تھے انہوں نے سمجھ لیا کہ کے بعد اب ان کی باری ہے دونوں قبیلوں کے سرداروں نے مل کر مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ جو کچھ بھی ہو مسلمانوں کا ذلت کر مقابلہ کرنا چاہئے اور اس بڑھتے ہوئے خطرے کو روکنا چاہئے، ورنہ پھر ہماری خیر نہیں ہے انہوں نے اپنے ایک سردار مالک ابن عوف ضری کو اپنا بادشاہ بنایا اور مسلمانوں سے نہشے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں انہوں نے اور بھی بہت سے قبیلوں کو اپنا ساتھی بنالیا۔

معرکہ حنین

نبی اکرم ﷺ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا اور یہ طے پایا کہ اس بڑھتے ہوئے فتنے کو بھی بروقت دبادینے کی کوشش ضروری ہے چنانچہ 10

شوال 8^{مہینہ} کو تقریباً 12 ہزار مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ آپؐ دشمن کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے، اس وقت اسلامی لشکر اتنی زیادہ تعداد میں تھا اور سروسامان اتنا کافی تھا کہ اسے دیکھ کر پورا یقین ہوتا تھا کہ دشمن مقابلے کی تاب نہ لاسکے گا اور فوراً ہی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو گا چنانچہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ الفاظ بھی نکل گئے کہ ”آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟“ لیکن یہ خیال مسلمان کی شان سے بعید ہے اسے کسی موقع پر بھی اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے اس کی طاقت اور اس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہی ہوتا چاہئے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

خنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت پر تازاں تھے، لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین با وجود وسعت کے اس دن تمہارے لئے جنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مسلمانوں پر اپنی طرف سے تسلی اور اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی بھی سزا ہے۔“ (سورہ توبہ آیت 25-26)

خنین ملکے اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے اسی مقام پر یہ جنگ ہوئی جب اسلامی لشکر دشمن کے سامنے آیا تو انہوں نے ارد گرد کی پہاڑیوں سے بے تحاشا تیر بر سانے شروع کر دیئے مسلمان اس کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ ان تیروں کی وجہ سے ان کی صفائی گزر گئیں اور تھوڑی دیر کے لئے ان کے قدم اکھڑ گئے بہت سے بدھی قبائل بھاگ کھڑے ہوئے ان میں بہت سے لوگ وہ تھے جو ابھی ایمان لائے تھے اور ابھی ان کی تربیت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس بھگدڑ کی حالت میں آنحضرتؐ نہایت اطمینان کے ساتھ میدان جنگ میں جنمے رہے اور برابر مسلمانوں کو پکارتے رہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ کریں اور میدان سے منہ موزیں آپؐ کے استقلال اور آپؐ کے گرد بہت سے مخلص صحابہؐ کی ثابت قدی کو دیکھ کر مسلمانوں کے قدم پھر سے جمنا شروع ہو گئے اور پھر ہر ایک نے پوری جواہ مردی اور بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ شروع کیا اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ اور صحابہؐ کرامؐ کی اسی ثابت قدی کو اپنی طرف سے نازل کی ہوئی سکینت (اطمینان اور سکون کی کیفیت)

وہیں کا تعلق اور علاجے خر

کافروں کی باتی نوجوان نے بھاگ کر طائف میں بناہیں یا ایک سخنوار مقام بجا جاتا

تحالہا تحریرت مکانی نے رہن کا پیچا کیا اور طائف کا محاصرہ کر دیا۔ طائف میں ایک مشہور اور

معبر طاقتور بھی تھا۔ جس میں کافروں نے بناہیں گئی محاصرہ لفڑیا میں روز تک جاری رہا۔

لیکن جب انحضرت مکانی، واپسی طرح اندازہ ہو گیا کہ دشمن کی اصل طاقت لوٹ چکی ہے۔

اور اب اس کی طرف سے کسی کرشی کا اندیشہ نہیں ہے تو آپ نے حاصہ اٹھالا اور ان کے

جن میں یہ کافر ہائی، اے اللہ! تھیں کو بُدایت کر اور تو نیک رے کر دہا مرے پاک صافر

ہو جائیں، سوا نے خدا کے نبی کے یونیک خاطر سمجھتے کر رہا ہو کون اتنا حم اور شفیع

ہو سکا ہے کہ ایسے سوچوں پر مجھی اپنے بیانیں الفوں کے لئے دعا کرے۔

فرمایا ہے اس کا تجھے یہ ہوا کہ اللہ کے فضل سے تھوڑی ہی دیر میں لڑائی کا بازس پڑتے ہیں اور مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہوئی کافروں کے تقریباً ستر آدمی "تھیں ہوئے اور ہزاروں قیدی

غزوہ تبوک

سلطنت روم سے کشکش

عرب کے شمال میں روم کی بڑی سلطنت تھی۔ اس سلطنت کے ساتھ کشکش تو مکہ فتح ہونے سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی۔ نبی ﷺ نے ایک وفد اسلام کی دعوت لے کر شمال کی طرف ان قبائل کے پاس بھی بھیجا تھا جو شام کی سرحد کے قریب آباد تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر یسائی تھے اور رومی سلطنت کے زیر اثر تھے، ان لوگوں نے اسلامی وفد کے پندرہ آدمیوں کو قتل کر دیا تھا اور صرف وفد کے رینس حضرت کعب بن غفاری بچ کر واپس آئے تھے اس زمانے میں آنحضرت ﷺ نے بصرہ کے رینس شریل کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا تھا۔ مگر اس نے بھی آپ کے ایلچی حضرت حارث بن عمیرؓ کو قتل کر دیا تھا۔ یہ رینس بھی قیوم کے ادکامات کے تحت تھا۔ ان ہی اسباب کی بنا پر آنحضرت نے جمادی الادلی ۸ھ میں تین ہزار مسلمانوں کی ایک فوج شام کی سرحد کی طرف بھیجی تاکہ اس علاقے میں آپ پھر مسلمانوں کو بالکل کمزور تجوہ کرنے کے لئے نکالیں مسلمان اس اطلاع شریل کو ملی تو وہ تقریباً ایک لاکھ فوج ساتھ لے کر مقابلے کے لئے نکلا۔ مگر اس نے بھی آپ کے ایلچی حضرت حارث بن عمیرؓ کو قتل کر دیا تھا یہ رینس بھی قیوم روم کے ادکامات کے تحت تھا ان ہی اسباب کی بنا پر آنحضرت نے جمادی الد ولی ۸ھ میں تین ہزار مسلمانوں کی ایک فوج شام کی سرحد کی طرف بھیجی تھی تاکہ اس علاقے میں آپ پھر مسلمانوں کو بالکل کمزور تجوہ کرنے کے لیے کیا جائے جب اس فوج کی آمد کی اطلاع شریل کو باوجود آگے بڑھتے رہے قیصر روم اس وقت تمص کے مقام پر موجود تھا اس نے بھی اپنے بھائی تھیودور کے ساتھ ایک لاکھ مزید فوج بھیج دی مگر مسلمان برابر آگے بڑھتے رہے اور آخر کار موت کے مقام پر تین ہزار سرفوش اتنی بڑی روی

فوج سے مکرا گئے بظاہر حالات اس اقدام کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی جماعت اتنے کثیر شکر کے مقابلے میں باکل ختم ہو جاتی لیکن اللہ کا فضل ایسا ہوا کہ رومیوں کی اتنی بڑی فوج بھی ان مسلمانوں کا پکجھنہ لگاڑ سکی یہ واقعہ ایسا تھا کہ اس نے آس پاس کے تمام قبیلوں پر مسلمانوں کی ایک قسم کی دھاک بھادی اور دور دور تک بنتے والے قبلے بھی اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان میں سے ہزاروں آدمی مسلمانوں ہو گئے۔

سب سے زیادہ اثر ڈالنے والا واقعہ یہ ہوا کہ خود رومی فوج کے ایک کمانڈر فردہ بن عمرو الجذامی نے اسلام کی تعلیمات پر توجہ کی اور وہ مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے اپنے ایمان کا ایسا زبردست ثبوت دیا کہ جب قیصر نے انہیں گرفتار کر کے ان سے کہا کہ یا تو اسلام چھوڑ کر پھر اپنے عہدے پر بحال ہو جاؤ نہیں تو قتل کے لئے تیار ہو جاؤ تو انہوں نے عہدے اور منصب پر لات مار دی اور کہہ دیا کہ، آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں دنیا کی سرداری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں چنانچہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ایسا تھا کہ اس سے ہزاروں آدمیوں کو اسلام کی اخلاقی طاقت اور اس کی واقعی اہمیت کا اندازہ ہوا اور انہوں نے جان لیا کہ اس نئی تحریک کا جو سیلا بان کی طرف بڑھ رہا ہے اس کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

قیصر کی طرف سے حملے کی تیاری

دوسرے ہی سال قیصر نے مسلمانوں سے عزوہ موت کا انتقام لینے کے لئے شام کی سرحد پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے ماتحت عرب قبیلوں سے فوجیں اکٹھی کرنے لگا۔ نبی کریم ﷺ کو بھی ان تیاریوں کا حال معلوم ہوا، یہ موقع اسلامی تحریک کے لئے بڑا نازک تھا، اس وقت اگر ذرا بھی سستی دکھائی جاتی تو سارا کام خراب ہو جاتا ایک طرف تھے عرب کے سب قبلے پھر سراخھاتے جنہیں ابھی ابھی کے اور جنہیں کی جنگ میں شکست اٹھانا پڑی تھی۔ دوسری طرف مدینے کے منافق جو برابر اسلام کے دشمنوں سے ساز باز رکھتے تھے میں وقت پر اسلامی جماعت کے اندر ایسا فساد برپا کرتے کہ پھر تحریک اور تنظیم کا سنگالانا بڑا دشوار ہو جاتا ایسے حالات میں رومی سلطنت کے بھرپور حملے کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات

نہ ہوتی اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان تین حملوں کی تاب نہ لا کر اسلامی تحریک کفر کے مقابلے میں شکست کھا جاتی یہی وجہ تھیں جن کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے اپنی بے مثال خداداد بصیرت سے کام لے کر بلا تامل یہی فیصلہ فرمایا کہ اس موقعہ پر قیصر کی عظیم الشان طاقت سے مگر لینا ہی مناسب ہے کیونکہ اس موقعہ پر ذرا سی بھی کمزوری دکھانے سے سب بنا بنا یا کام بگڑ جاتا۔

مقابلہ کرنے کا فیصلہ

مسلمانوں کے لئے اس وقت کسی جنگی تیاری کے لئے آمادہ ہو جانا ایک بڑا سخت امتحان تھا، ملک میں قحط سالی تھی سخت گرمی کا موسم تھا، فصلیں پکنے کے قریب تھیں اور جنگی سامان بھی مکمل نہ تھا دوز دراز کا سفر تھا اور مقابله بھی ایک بہت زبردست طاقت سے تھا ان حالات کے باوجود نبی کریم ﷺ نے موقع کی نزاکت کا اندازہ فرمانے کے بعد جنگ کا اعلان عام کر دیا اور صاف صاف بتا دیا کہ کہاں جانا ہے اور کس لئے جانا ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس وقت اب اسلامی تحریک کا مقابلہ کھل کر بیرونی دشمنوں سے ہو رہا تھا اور ملکے اور خین کی لڑائی کے بعد اس مخالفت کا زور ٹوٹ چکا تھا لیکن اس وقت تک اندر وی دشمن یعنی منافقوں کے ساتھ زیادہ تر معاملہ درگرز کا برپا گیا تھا اور یہ اس لئے تھا کہ ابھی تک تحریک اتنی مستحکم نہیں ہوئی تھی کہ ایک ہی وقت میں باہر کے اور گھر کے دشمنوں سے لڑائی مول لی جاتی دوسرے یہ کہ منافقوں میں سب ایک ہی طرح کے لوگ نہ تھے ان میں ایسے بھی تھے جو یا تو کمزوری ایمان میں بتلا تھے یا کچھ شکوہ اور شبہات رکھتے تھے ایسے لوگوں کو ایک مناسب مدت تک مہلت دینا ضروری تھا تاکہ وہ اپنی کمزوری اور اپنے شکوہ و شبہات دور کر لیں اور آخر میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں جو جان بوجہ کر اور سوچ سمجھ کر اسلام کی جزیں کاشنے کے لئے مسلمانوں کے اندر گھس آئے تھے چنانچہ ایک عرصہ تک ایسے لوگوں کو زرم اور گرم ہر انداز میں سمجھانے کی کوششیں ہوتی رہیں اور اس کے نتیجے میں جن لوگوں کے اندر کچھ بھی صلاحیت تھی وہ سیدھے راستے پر آتے چلے گئے اب یہ سب مرحلے طے ہو چکے تھے مسلمانوں نے ملک کے اندر اپنے مخالفوں کو بڑی حد

مک زیر کر لیا تھا اور اب ان کا مقابلہ مک سے باہر کی طاقتلوں سے شروع ہو رہا تھا، ایسے نازک موقعوں پر گھر کے اندر کے دشمنوں کا سر کچلتا بہت ضروری تھا ورنہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ باہر کے دشمنوں سے ساز باز کر کے معلوم نہیں کس وقت کیا نقصان پہنچادیں۔

منافقتوں کا پروہ فاش

منافقوں سے نہنے کے لئے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ سب لوگ کھل کر سامنے آ جائیں اور انہوں نے جو اپنے چہروں پر ایمان اور اسلام کی نقاب ڈال رکھی ہے، وہ ہٹ جائے اور ان کی اصل حیثیت پوری اسلامی سوسائٹی کو معلوم ہو جائے ان کے لئے پھر یہ موقع باقی نہ رہے کہ یہ مسلمانوں کے معاملات میں مسلمان بن کر دخل دیتے رہیں اور انہیں مسلمانوں میں وہی مقام اور درجہ حاصل رہے جو مخلاص مسلمانوں کو حاصل ہے چنانچہ جنگ تبوک کا یہ اعلان منافقوں کو بے نقاب کرنے میں نہایت کارگر ثابت ہوا۔ اس موقع پر وہ سب لوگ جو اپنے ایمان کے دعویٰ میں مخلاص تھے دل و جان سے جہاد کے لئے تیار ہو گئے سرمایہ کی ضرورت سامنے آنے پر ان کے پاس جو کچھ حالاً کر حاضر کر دیا اور جب سواری کا انتظام مکمل نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے کچھ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ جانے کا موقع نہ ملا تو وہ اس محرومی پر رودیئے اور اس طرح صاف معلوم ہو گیا کہ اسلامی جماعت میں کتنے لوگ مخلاص ہیں لیکن ان کے برخلاف جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں تھا جنگ کا اعلان سن کر گویا ان کی جان، ہی انکل گئی ان لوگوں نے طرح طرح کے جیلے بہانے بنانے شروع کئے اور جنگ پر نہ جانے کے لئے آنحضرت ﷺ سے رخصت حاصل کرنے لگے آنحضرت ﷺ نے بھی اس موقع پر زم رو یہ اختیار فرمایا اور ایسے تمام لوگوں کو رخصت دیدی پھر ان منافقوں نے اتنا ہی نہیں کیا کہ خود جنگ پر جانے سے جان چڑائی بلکہ یہ دوسروں کو بھی روکتے اور در غلطات رہے کبھی کہتے کہ گرمی بہت سخت ہے ایسے میں جنگ کے لئے جا کر کیا جان دینا ہے کبھی کہتے کہ بھلاروم کی سلطنت کے مقابلے میں یہ تھوڑے سے مسلمان کیا کر سکیں گے یہ تو جان بوجھ کر اپنے آپ کی ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ غرض یہ کہ یہ اعلان جنگ ایک ایسا امتحان ثابت ہوا جس میں مخلاص مونین اور منافق کھل کر سامنے آگئے اور اب یہ ممکن یہ گیا کہ

ایے لوگوں کے خلاف جو مناسب کارروائی ہو وہ کی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تبوک سے واپسی پر اس کا جو انتظام فرمایا اس کا ذکر آئندہ اپنے موقع پر آئے گا۔

تبوک کے لئے روانگی

غرض آپ رجب ۹ھ میں تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینے سے نکلے، جن میں دس ہزار سوار تھے اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اس پر گرمی کی شدت اور پانی کی کمی مگر مونوں نے اس موقع پر اپنے ایمان کے خلوص، نبی کی اطلاعات اور اللہ کی راہ میں سرفراشی کے جس شوق کا ثبوت دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا اور ایسا انتظام فرمادیا کہ بغیر کسی لڑائی کے ہی وہ مقصد حاصل ہو گیا جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے مدینے سے کوچ فرمایا تھا تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر نے سرحد سے اپنی فوجیں ہٹالی ہیں اور اب کوئی مقابلے کے لئے موجود ہی نہیں ہے ہوا یہ کہ جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی اتنی زبردست تیاری کی اطلاع پانے کے باوجود مسلمان اس بے خوبی کے ساتھ مقابلے کے لئے خود مدینے سے نکل پڑے ہیں اور برابر بڑھتے چلے آرہے ہیں تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنی فوجیں ہٹالے، وہ اس سے پہلے دیکھے چکا تھا کہ غزوہ موت کے موقع پر تین ہزار مجاہدوں نے دولا کھ فوج کے مقابلے میں کیسی شجاعت دکھائی تھی اس لئے جب اسے معلوم ہوا کہ خود نبی کریم ﷺ میں ہزار کی جمیعت کے ساتھ تشریف لارہے ہیں تو اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اس سیالاب کا مقابلہ نہ کیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ پانسہ پلٹ جائے اور اس کی ساکھ ختم ہو جائے۔

تبوک پر قیام

قیصر کے اس طرح میدان سے ہٹ جانے کو نبی کریم ﷺ نے کافی سمجھا اور اس کا پیچھا کرنے کے بجائے اس علاقے پر اپنے اثرات کو مضبوط کرنا مناسب خیال فرمایا آپؐ وہاں میں روز تک ٹھہرے اور اس درمیان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنت روم اور اسلامی حکومت کے درمیان واقع تھیں اور اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں، اسلامی حکومت کا مطبع اور بانج گزار بنالیا اور اس طرح اب تک جو عرب قبیلے قیصر روم کا ساتھ

دیتے تھے، اب وہ اسلامی حکومت کے مددگار اور معاون بن گئے۔

منافقوں کی چال

جس وقت آنحضرت ﷺ تبوک کی مہم پر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس وقت وہ سب لوگ جو دراصل مسلمان نہیں تھے لیکن اسلامی جماعت میں اپنے کسی نہ کسی مفاد کے لئے ہس آئے تھے مدینہ میں، ہی پیچھے رہ گئے تھے، ان لوگوں کو پورا یقین تھا کہ مسلمان اس مہم سے بخربست واپس نہ آ سکیں گے کچھ تو موسم کی سختی اور سفر کی مصیبتوں کا شکار ہو جائیں گے اور نہیں تو قیصر کی بے پناہ فوج کے مقابلے میں ان کا قلع قع ہو جائے گا ان منافقوں نے ایک مسجد بھی بنالی (مسجد ضرار) جہاں یہ نماز کے بہانے عام مسلمانوں سے الگ جمع ہوتے تھے اور خفیہ مشورے کیا کرتے تھے ان لوگوں نے اس موقع پر اسلامی تحریک کو انتہائی نقصان پہنچانے کے لئے قسم کی سازشیں کیں اور یہاں تک طے کر لیا کہ تبوک کی جنگ کا فیصلہ معلوم ہونے کے بعد جس کے بارے میں نہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کی شکست ہی کی صورت میں نکلے گا عبد اللہ بن ابی کو مدینہ کا بادشاہ بنالیا جائے گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا اور اب دراصل وہ وقت بالکل قریب آ رہا تھا جب اسلام کی شکست کے بارے میں اہل کفر کی ہر امید پر مکمل پانی پھرنا والا تھا چنانچہ تبوک کی بلا جنگ فتح کے حالات جب اسلام کے دشمنوں کو معلوم ہوئے تو ان کی کمر ثوٹ گئی اور نہیں ایسا معلوم ہوا کہ اب ان کی امیدوں کا آخری سہارا بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

تبوک سے واپسی کے بعد

ابھی آنحضرت ﷺ تبوک سے مدینہ واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ راستہ میں ہی سورہ توبہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بہت سی ایسی ہدایات سے سرفراز فرمایا جن پر آپ ﷺ کو مدینہ واپس آنے کے بعد عمل کرنا تھا۔ اب تک منافقوں کے ساتھ جس نرم پالیسی پر عمل کیا گیا تھا اور جس کے ماتحت ان کے وہ عذرات قبول کرنے گئے تھے جو انہوں نے لڑائی سے جان بجا نے کے لئے تبوک کے سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں

پیش کئے تھے اس کو بالکل بدل دینے کی ہدایت کی گئی اور صاف صاف کہہ دیا گیا کہ ان کے ساتھ معاملہ سختی کا کیا جائے یہ اگر اپنے جھوٹے دعویٰ ایمان کو صحیح ثابت کرنے کے لئے مالی امداد پیش کریں تو وہ قبول نہ کی جائے ان میں سے کوئی مر جائے تو نبی ﷺ اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں مسلمان ان سے شخصی اور خاندانی تعلقات کی بناء پر خلوص اور دوستی کا معاملہ نہ رکھیں۔

ابو عامر کی سازشیں

آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ایک عیسائی راہب ابو عامر کی درویشی اور علم کا مدینہ میں بڑا چہرہ چا تھا لوگ اس کو بہت مانتے تھے جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس کی درویشی اور خدا پرستی کا نتیجہ تو یہ لکھنا چاہئے تھا کہ وہ ہدایت کی روشنی سے فائدہ اٹھاتا اور خدا پرستی کے صحیح تصور کو سب سے پہلے بڑھ کر قبول کرتا تھا لیکن جس طرح علم اور تقویٰ کا غلط پندار اور رسمی اور رواجی دین داری کا مظاہرہ عام طور پر انسان کو ہدایت کی پیروی سے روک دیتا ہے اسی طرح ابو عامر پر بھی اسلامی دعوت کا اٹھا ہی اثر بڑا اس کی نظر اپنے دین داری کے کاروبار پر گئی اور اس نے محسوس کیا کہ اب اس نئی تحریک کے مقابلے میں اس کی درویشی اور پیروی کا سکھ نہیں چل سکے گا اور اسی لئے وہ تحریک اسلامی کا سب سے سخت مخالفت بن گیا۔

پہلے تو اسے یہ امید رہی کہ چار دن کی چاندی ہے۔ بھلا کہیں اس قسم کی خدا پرستی اور دین داری کی قیود کو لوگ قبول کیا کرتے ہیں لیکن جب بدر کی لڑائی میں قریش نے نکست کھائی تو وہ تملہ اٹھا اور اس نے قریش اور دوسرے عرب قبیلوں کو اسلام کے خلاف بھڑکانے میں ایڈی چوٹی کا زور لگایا اور احمد کی لڑائی اور احزاب کے حملے میں جو کچھ مسلمانوں کے سامنے آیا اس میں اس درویش کی کوشش کو بہت کچھ دھن تھا، اس عیسائی اہل کتاب نے مسلمانوں کے خلاف مشرکوں سے سازباز کرنے اور توحید کے چراغ کو بجھانے کے لئے شرک کی آندھیاں اٹھانے میں کسر نہ اٹھا کھلی لیکن جب اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کھل کر سامنے آنے لگا کہ ”پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا“ اور یہ کہ اسلام ہی تمام عرب کا غالب

دین ہو کر ہے گا تو اس "خدا پرست درویش" کی بے چینی کی کوئی انہتائی رہی اور اب اس نے ردم کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں جا جا کر وہ خطرے کی لگنٹی بجائے اور قیصر کو متوجہ کرنے کے وہ اس اٹھتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لئے جو کچھ کر سکے کرے۔

مسجد ضرار

ابو عامر کی ان تمام کوششوں میں مدینہ کے منافقوں کا ایک گروہ اس کا شریک کا رہتا اور بہم مشوروں سے یہ لوگ اسلامی تحریک کو مٹانے کی تدبیریں کیا کرتے تھے چنانچہ اسی شخص کی تجویز کے مطابق مدینے کے کچھ منافقوں نے اپنی ایک الگ مسجد بنانے کا فیصلہ کیا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اس جگہ یہ لوگ نماز کے بہانے سے جمع ہوتے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے۔

اس وقت مدینے میں دو مسجدیں تھیں ایک مسجد قبا جو شہر کے ایک کنارے تھی اور دوسری مسجد نبوی جو درمیان شہر واقع تھی ان کی موجودگی میں کسی تیری مسجد کی واقعی ضرورت نہ تھی لیکن ان منافقوں نے یہ بہانا کر کے کہ کچھ بوز ہے اور معذور لوگوں کو ان دونوں مسجدوں تک جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے لہذا تیری مسجد بنائی اور آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اس میں آپ ایک بار نماز پڑھادیں تاکہ اس مسجد کا افتتاح خیر و برکت کے ساتھ ہو جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو میں توک کی مہم پر جانے کی تیاری میں مشغول ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا واپسی کے وقت راستے میں ہی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر آپ کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمادی اور یہ بتا دیا کہ یہ دراصل ایک ایسی جگہ ہے جو مسلمانوں کے خلاف مشورے کرنے کے لئے بطور گھات کے کام میں لا لی جاتی ہے یہ اس قابل نہیں کہ آپ اس میں نماز پڑھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ جا کر اس مسجد کو آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈھادیں، اس طرح اس مسجد کا ڈھانا اور اصل منافقوں کے خلاف مسلمانوں کے آئندہ طرز عمل کا ایک کھلا ہوا اعلان تھا اور اسی پر آئندہ عمل کیا گیا۔

اہل ایمان کی تربیت کی تکمیل

اب اسلامی تحریک ایک عالم گیر جدوجہد کی منزل میں داخل ہونے والی تھی اور وہ وقت قریب تھا جب عرب کے یہ مسلم تمام غیر مسلم دنیا کو اللہ کے دین کا پیام پہنچانے کی مہم پر نکلنے والے تھے ایسے مرحلے میں مومنین کے اندر کوئی معمولی سی کمزوری بھی بڑی رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی اسی لئے اس مرحلے پر مومنین کی تربیب کی تکمیل پر پوری توجہ کی گئی اور ان کے اندر ایمان کی کمزوری کی ایک ایک علامت کو جن چن کر نکالا گیا اور اس کو دور کرنے کی تاکید کی گئی۔

تبوک کی جنگ کے موقعہ پر جہاں وہ لوگ پیچھے رہ گئے تھے جن کے اندر واقعی ایمان اور اسلام موجود نہیں تھا وہاں کچھ ایسے مومنین بھی پیچھے رہ گئے تھے جو اگرچہ سچے مسلمان تھے لیکن کسی وقت کمزوری یا استی کی بنا پر ان سے یہ کوتاہی سرزد ہو گئی تھی ایسے لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی سخت روایہ اختیار کیا گیا تاکہ ایسی کمزوری ظاہر نہ ہو سکے اس ذیل میں تین صحابہ کرام حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن رئیع کا واقعہ نہایت سبق آموز ہے جس کی روشنی میں یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اس وقت مومنین کی تربیت کس انداز پر کی جا رہی تھی یہ تینوں صحابی اگرچہ سچے مومن تھے اور اس سے پہلے ان کے اخلاص ایمان کا تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن چونکہ محض استی کی وجہ سے وہ تبوک کی مہم کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کا ساتھ دے سکے تھے اس لئے ان کی سخت گرفت کی گئی اور نبی ﷺ نے تبوک سے واپس تشریف لانے کے بعد مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی ان سے سلام کلام نہ کرے اور چالیس دن کے بعد ان کی بیویوں کو بھی ان سے الگ رہنے کی تاکید کر دی گئی پچاس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی معافی کا حکم نازل فرمایا جو سورہ توبہ میں مذکور ہے ان میں ایک صاحب حضرت کعب بن مالک کا واقعہ تفصیل کے ساتھ خود ان کے زبانی منقول ہوا ہے جو نہایت ہی سبق آموز ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

حضرت کعبؑ کا واقعہ

”جب آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو تبوک کی مہم کے لئے تیار کر رہے تھے تو میں بھی یہ ارادہ کر لیتا تھا کہ اب چلنے کی تیاری کروں مگر پھرستی کر جاتا تھا اور کہتا تھا ابھی کیا ہے جب وقت آئے گا تو تیار ہوتے کیا دیر لگتی ہے اسی طرح بات ملتی رہی یہاں تک کہ روانگی کا وقت آگیا اور میں تیار نہ تھا میں نے دل میں کہا کہ لشکر کو چلنے دو میں دو ایک روز بعد بھی چلوں گا تو قافلے سے جاملوں گا غرض یہ کہ اسی ستی میں وقت نکل گیا اور میں جانے سکا۔

جب میں دیکھتا تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ میں پیچھے رہ گیا ہوں وہ تو منافق ہیں یا ایسے کمزور اور مجبور لوگ ہیں جن کو اللہ نے معذور رکھا ہے تو میرا دل بے انہیا کڑھتا تھا اور مجھے اپنی حالت پر بڑا فسوس ہوتا تھا۔

جب نبی ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے تو حسب معمول آپؐ نے پہلے مسجد میں آکر دور کعت نماز ادا فرمائی پھر لوگوں سے ملاقات کے لئے بیٹھے، اب منافقوں نے آآ کر اپنے عذر رات پیش کرنا شروع کئے اور فرمیں کہا کہا کر آنحضرت ﷺ کو اپنی مجبوری کا یقین دلانے لگے ایسے لوگ 80 آدمیوں سے کچھ زیادہ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کی بناؤں باتمیں اور ان کے ظاہری عذر قبول فرمایا کہ ان کے باطن کو خدا پر چھوڑ دیا اور انہیں معاف کر دیا اب میری باری آئی میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا آنحضرت میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہنے آپؐ کو کس چیز نے روکا تھا میں نے عرض کیا خدا کی قسم اگر میں کسی اہل دنیا کے سامنے حاضر ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی بات بنا کر اسے راضی کر لیتا مگر آپؐ کے بارے میں تو میرا ایمان ہے کہ اگر اس وقت کوئی بات بنا کر آپؐ کو راضی بھی کر لوں تو اللہ ضرور آپؐ کو مجھ سے ناراض کر دے گا البتہ اگرچج مجھ کہہ دوں تو چاہے آپ ناراض ہی کیوں نہ ہوں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی نہ کوئی معانی کی صورت پیدا فرمادے گا مجھ تو یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے جو میں پیش کر سکوں میں جانے پر پوری قدرت رکھتا تھا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ”یہ شخص ہے جس نے کچی بات کی اچھا اٹھ جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ فرمائے“ میں اٹھا اور

اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا میری طرح دوا اور آدمیوں مرارہ بن رنج اور ہلال ابن امیہ نے بھی وہی کچی بات کہی جو میں نے کہی تھی۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے حکم دے دیا کہ ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے۔ وہ دونوں تو گھر میں بیٹھے گئے مگر میں نکلا تھا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا بازاروں میں چلتا پھر تھا اور کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرز میں بالکل بدل گئی ہے، میں یہاں اپنی ہوں اور یہاں میرا کوئی جانے والا نہیں ہے مسجد میں نماز کے لئے جاتا تو نبی ﷺ کو سلام کرتا اور انتظار ہی کرتا رہ جاتا کہ جواب کے لئے آپ کے ہونٹ ملتے ہیں یا نہیں نماز میں نظر س چدا کر حضور کو دیکھتا تھا کہ آپ کی نگاہیں مجھ پر کیسی پڑتی ہیں مگر وہاں حال یہ تھا کہ جب تک میں نماز پڑھتا آپ میری طرف دیکھتے رہتے اور جہاں میں نے سلام پھیرا آپ نے میری طرف سے نظریں ہنالیں ایک روز میں گھبرا کر اپنے چپازاد بھائی اور بھپن کے یار ابو قادہ کے پاس گیا اور ان کے باع کی دیوار پر چڑھ کر انہیں سلام کیا مگر اس بندے نے سلام کا جواب تک نہ دیا میں نے کہا ابو قادہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے، اس پر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور میں دیوار سے اتر آیا۔

انہی دنوں ایک دفعہ بازار سے گزر رہا تھا کہ شام کے ایک شخص نے شاہ غسان کا ایک خط حریر میں لپنا ہوا مجھے دیا، میں نے کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ ”ہم نے سا ہے تمہارے صاحب نے تم پر تم تو ڈر کھا ہے، تم کوئی ذلیل آدمی نہیں ہونہ اس لاائق ہو کہ تمہیں ضائع کیا جائے ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری قدر کریں گے“ میں نے کہا ”یہ اور بلا آئی“ اور اسی وقت خط کو چوٹیہ میں جھوٹک دیا۔

چالیس دن اس حالت میں گزر چکے تھے کہ نبی ﷺ کا حکم آیا کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ میں نے پوچھا ”کیا طلاق دے دوں؟“ جواب مل انہیں بس الگ رہو۔ میں نے اپنی بیوی کو ان کے میکے بھیج دیا اور کہا ”انتظار کرو یہاں تک اللہ تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ فرمادے“

چھاؤں دن صبح کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا تھا، اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا کہ یہاں کیکسی شخص نے پکار کر کہا "مبارک ہو کعب ابن مالک میں یہ سنتے ہی بجدے میں گیا اور میں نے جان لیا کہ میری معافی کا حکم ہو گیا ہے پھر تو فوج در فوج لوگ بھاگے چلے آ رہے تھے اور ہر ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھ کو مبارک باد دے رہا تھا کہ تیری توبہ قبول ہو گئی میں اٹھا اور سیدھا مسجد نبوی کی طرف چلا دیکھا کہ نبی ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے میں نے سلام کیا تو فرمایا تجھے مبارک ہو یہ دن تیری زندگی میں سب سے بہتر ہے، اور قرآن کی وہ آیات سنائیں جن میں اس توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں صدقہ کر دوں فرمایا۔ "کچھ رہنے دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔" میں نے ارشاد کے مطابق اپنا خیر کا حصہ رکھ لیا۔ باقی سب صدقہ کر دیا۔ پھر میں نے خدا سے عہد کیا کہ جس بچ کے بد لے میں اللہ نے مجھے معافی دی، اس پر تمام عمر قائم رہوں گا۔ چنانچہ آج تک میں نے کوئی بات جان بوجھ کر خلاف واقعہ نہیں کیا اور امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی اللہ مجھے اس سے بچائے گا۔

مسلم معاشرے کی خصوصیات

اس واقعہ کی تفصیلات میں صحابہ کرام کی سوسائٹی کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کی کچھ نمایاں خصوصیات ایسی ہیں جو ہر مومن کے سامنے رہنا چاہئیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک اپنے علم برداروں کا مزاج کیسا ہوتا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ جب کفر اور اسلام کی کشمکش کا معاملہ درپیش ہو تو یہ مومنوں کے لئے انتہائی سخت امتحان کا وقت ہوتا ہے اس وقت اس بات کا اندر یتھہ ہوتا ہے کہ کہیں کسی غفلت کی وجہ سے ساری عمر کا کیا کرایا غارت نہ ہو جائے۔ کیونکہ ایسے وقت میں اگر کوئی مومن اسلام کا ساتھ نہ دے تو چاہے اس کی یہ کوتاہی کسی بد نیتی کی بنابرہ ہو اور چاہے ساری عمر میں ایک ہی بار ایسی کوتاہی سرزد ہوتا ہم اس بات کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کا طریقہ عمل اس کی ساری عمر کی نیکیوں اور عبادات کو برپا نہ کر دے مومن کے لئے

کسی موقعہ پر اس امر کی گنجائش نہیں نظری کہ وہ اسلام کے بد لے کفر کا ساتھ دے اور کوئی ایسا عمل کرے جس سے کسی غیر اسلامی تحریک کو تقویت پہنچتی ہو۔ یہ صورت حال اس موقع پر اور زیادہ تازک ہو جاتی ہے جب غیر اسلامی تحریکوں کے مقابلے میں کوئی اسلامی تحریک موجود ہو اور مومنوں کی صلاحیتیں اللہ کے دین کو بلند کرنے کے بد لے کسی دوسرے کام میں لگ رہی ہوں۔

دوسرا بات یہ ہے کہ جب کسی فرض کے ادا کرنے کا وقت آجائے تو اس وقت مومن کے لیے سستی دکھانا ٹھیک نہیں۔ کبھی سستی ہی سستی میں کام کا وقت نکل جاتا ہے اور پھر یہ عذر کچھ کام نہیں دیتا کہ اس کا قصور بد نیتی کی بنیاد پر نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ کی سو سائیٰ کا حال یہ ہے کہ ایک طرف منافقین ہیں جو بناولی عذر پیش کر رہے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں مگر نبی کریم ﷺ ان کی ظاہری باتوں کو سن کر ان کا قصور معاف کر دیتے ہیں کیونکہ ان سے یہ امید ہی کہ تھی کہ وہ کسی امتحان کے وقت ایمان کے خلوص کا ثبوت دیں گے۔ لیکن دوسری طرف کچھ سچے مومن ہیں جو اپنے ایمان اور اخلاص کا ثبوت اس سے پہلے کئی بار دے چکے ہیں۔ وہ جھوٹی باتیں بنانا پسند نہیں کرتے صاف صاف اپنی غلطی کو مان لیتے ہیں لیکن ان کے ساتھ اتنا سخت معاملہ کیا جاتا ہے کہ پوری سو سائیٰ سے ان کا بائیکاٹ کرایا جاتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ ان کے ایمان اور اخلاص کے بارے میں کوئی شبہ پیدا ہو گیا تھا بلکہ صرف اس لیے کہ انہوں نے وہ کام کیوں کیا جو منافقوں کے کرنے کا تھا۔ پھر لطف یہ کہ اس معاملے میں لیڈر جس شان سے مزادیتا ہے اور پیر و جس شان سے اس سزا کو بھگتتے ہیں اور پوری جماعت جس شان سے لیڈر کی مثاث کے مطابق عمل کرتی ہے اس کا ہر پہلو بے نظیر ہے۔ لیڈر انتہائی سخت مزادے رہا ہے۔ لیکن نہ غصہ ہے اور نہ نفرت بلکہ گہری محبت کے ساتھ سزا دی جا رہی ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی مہربان بانباپ قصور و اربیٹے کو سزا دے اور اس بات کا متنبی رہے کہ کب بیٹا درست ہو جائے، تو پھر اسے سینے سے چمٹا لے پیر و سزا کی سختی سے انتہائی بے چین ہے۔ مگر کیا مجال کہ کسی موقع پر بھی اپنے محبوب لیڈر کی اطاعت کے بد لے کسی سرکشی کا وہم دل میں آجائے۔ نہ کوئی

شکایت ہے نہ اپنے کارناموں کی داد کی طلب، پھر اس جماعت کو دیکھئے کہ اس کے اندر اپنے لیڈر کے احکام کی اطاعت کا جذبہ کس شدت سے موجود ہے ادھر حکم ملا کہ فلاں شخص سے تعلقات ختم کر دیئے جائیں تو معلوم ہوا کہ پوری بستی میں شاید اس شخص کا کوئی شناسائی نہ تھا اور ادھر معافی کا اعلان ہوا تو پھر ہر شخص بے چین ہو گیا کہ وہی سب سے پہلے جا کر مبارکباد پیش کرے۔

اطاعت رسول کا یہ ایک نمونہ ہے جو قرآن اپنے پیروں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور جو دین کی خاطر کام کرنے والوں میں اپنے سربراہ کار اور اولی الامر کے لئے موجود ہنالازمی ہے۔ صوردار کو دیکھئے کہ وہ دیکھتا ہے کہ اس سے زیادہ بڑے بڑے صوردار محض جھوٹ بول کر صاف فتح گئے اور اس کے پیچے بونے پر اتنا سخت پکڑا جا رہا ہے۔ لیکن اس بات پر اس کے اندر نہ غصہ پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی ناگواری کا اظہار ہوتا ہے سزا ملنے کے بعد اس نے پورے پچاس دن تک انتہائی سختی کے ساتھ سزا جھیلی۔ لیکن کسی ایک گھری کے لئے بھی اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ اس کے ساتھ بڑی زیادتی کی گئی ہے، اس کے پچھلے کارناموں پر پانی پھیر دیا گیا ہے۔ اس کے ایمان اور اخلاق پر شبہ کیا گیا ہے، حالانکہ وہ نہ بد نیت ہے اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے اس کا دل خالی ہے۔ اُس نے جماعت میں کوئی سازش نہیں کی، لوگوں میں بد دلی نہیں پھیلائی، دوسروں کو اپنا ہم خیال بنایا کر جماعت کے اندر ایک اور جتنا تیار کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ انتہائی صبر و سکون کے ساتھ سزا کو برداشت کیا اور ہر آن اس امید میں رہا کہ کب اس کی کوتا ہی کو معاف کیا جاتا ہے۔ یہی وہ مثالی طرز عمل ہے جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے انتہائی پیار بھرے الفاظ میں ان بزرگوں کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے یہ وہ فضل ہے جو اسی کو ملتا ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔

دعویٰ ایمان کی حقیقت

ایمان اور اسلام کا دعویٰ ایک شخص پر کتنی ذمہ داریاں عائد کر دیتا ہے اس کی وضاحت کے لئے اس موقع پر صاف صاف بتا دیا گیا کہ دراصل دعویٰ کی حیثیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے مومنوں سے ان کی جان اور ان کے مال جنت کے بد لے میں خرید لیے ہیں۔ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱) ایمان کی یہ وضاحت جب تک اچھی طرح ذہنوں میں بیٹھی ہوئی نہ ہو اور ہر موقع پر انسان کے سامنے نہ رہے وہ دین کے تقاضے پورے کرنے میں لازماً سُستی برترے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ایک معاملہ سے تعبیر کیا ہے جو مومن اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ وہ معاملہ یہ ہے کہ بندہ اپنا نفس اور اپنا مال گویا خدا کے ہاتھ پنج دیتا ہے اور اس کے بد لے میں خدا کے اس وعدے کو قبول کر لیتا ہے کہ مرنے کے بعد اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں اسے اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا۔

جہاں تک اصل حقیقت کا تعلق ہے اس اعتبار سے تو انسان کا جان اور مال سب کچھ اللہ ہی کا ہے اسی نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے اور وہی ان کا حقیقی مالک ہے، ایسی صورت میں بندے کا اپنا ہے ہی کیا جودہ اللہ کے ہاتھ بیچے اس طرح تو بیچنے اور مول لینے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر بندے کو عطا کر دی ہے اور اسے پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اسے جیسے چاہے کام میں لائے۔ وہ ہے اس کے ارادے اور اختیار کی آزادی۔ اسے اس امر کی آزادی دی گئی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی جان اور اس کے بخشے ہوئے مال کو وہ چاہے تو اللہ کی ہی ملکیت تسلیم کرتا رہے جیسا کہ وہ حقیقت میں ہے اور چاہے تو وہ خود اپنے آپ ان چیزوں کا مالک بن بیٹھے حالانکہ وہ ان چیزوں کا مالک نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو خدا سے منہ موز کراپنی جان اور اپنے مال کو اپنی خواہش یا اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی خواہش کے مطابق جس راہ پر چاہے لگا دے اور اگر چاہے تو اصل مالک کو مالک تسلیم کر کے اس کی بخشی ہوئی جان اور اس کے دیئے ہوئے مال کو اسی مالک کی مرضی کے مطابق کام میں لائے اور اس حقیقت کو تسلیم کرے کہ دراصل اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی امانت ہے اور وہ ان چیزوں کے استعمال میں خود مختار اور مالک کی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

ارادے اور اختیار کی یہی تھوڑی سی آزادی دراصل اس معاملے کی بنیاد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے خرید و فروخت فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ بندے سے مطالباً کرتا ہے کہ

میری بخشی ہوئی امانت میں اگر تو باوجود اختیار کے خیانت کا رو یہ اختیار نہ کرے گا۔ بلکہ اس امانت کو اسی طرح کام میں لائے گا۔ جس طرح میری مرضی ہوتا میں تجھے اس زندگی کے بعد آنے والی دلگی زندگی میں اپنی اس نعمت سے نواز دیں گا۔ جس کا نام جنت ہے اب جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس مطالبے کو قبول کر کے یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی جان اور مال کو صرف اللہ کی مرضی کے کاموں میں لگائے گا اور اس کا یہ معاملہ ہے اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت فرمایا ہے اس کے ایمان کا اقرار ہے اور جو شخص اس مطالبے کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی جان اور مال کو اللہ کی مرضی کے خلاف کام میں لانے کا فیصلہ کرتا ہے وہ گویا اللہ کے ساتھ اس خرید و فروخت کے معاملے کو نہیں کرتا، وہی کافر ہے اور اس کا بھی انکار کفر ہے۔

جنگ تبوک کی تیاری کیلئے جن لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا تھا وہ سب وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے اپنے مومن ہونے کا اقرار کیا تھا۔ گویا یہ سب وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے اللہ کے ساتھ اس خرید و فروخت کے معاملے کو طے کیا تھا۔ جس کا ذکر اور پر ہوا۔ لیکن جب اس دعویٰ کے امتحان کا نازک موقع آیا تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی نکلے جو اس امتحان میں پورے نہ اترے اور انہوں نے اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں لگانے سے روک لیا۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو منافق تھے۔ جن کے ایمان کا دعویٰ جھوٹا تھا اور جو محض مصلحت یادباؤ کی وجہ سے اسلامی جماعت میں گھس آئے تھے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن سے یہ غلطی محض سستی اور غفلت کی وجہ سے سرزد ہو گئی تھی۔ لہذا اس موقع پر ان سب لوگوں پر کھل کر تنقید کرنے کے بعد انہیں صاف صاف بتا دیا کہ ایمان محض یہ مان لینے کا نام نہیں ہے کہ خدا ہے اور وہ ایک ہے بلکہ ایمان دراصل اس اقرار کا نام ہے کہ خدا ہی ہماری جانوں اور مالوں کا تنہا مالک ہے اور اس طرح اسے مالک مان لینے کے بعد اگر کوئی اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں لگادینے سے جی چڑاتا ہے اور اسے اس راہ کے سوا کسی دوسری راہ میں لگاتا ہے دراصل وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہے ایمان کے تمام مدعيوں کو اپنے دعویٰ کی یا اصل حقیقت ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے سے کسی موقع پر جی نہ چڑا ناچاہیے۔

عوام کی دینی تبدیلیت

ابتدائے اسلام کے وقت جو لوگ اس تحریک کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہوتے تھے وہی لوگ ہوتے تھے جن کے دلوں میں اسلام کی سچائی گھر کر لیتی تھی اور جوبات کو اسی طرح سمجھ کر اسلام قبول کرتے تھے۔ لیکن اب جب کہ اسلام کا اثر چاروں طرف پھیلنے لگا تو آبادیوں کی آبادیاں فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگیں ظاہر ہے کہ ان میں تھوڑے ہی لوگ ایسے ہوتے تھے جو اسلام کو پوری طرح سمجھ کر ایمان لاتے تھے زیادہ تر لوگ وہ ہوتے تھے جو بغیر کچھ زیادہ سوچے سمجھے اسلام کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

بظاہر تو یہ صورت حال اسلام کی قوت کا سبب تھی کیونکہ ہزاروں آدمی اس میں شامل ہوتے جا رہے تھے لیکن جب تک کوئی گروہ اسلام کے تقاضوں کو اچھی طرح نہ سمجھتا ہو اور ان تمام اخلاقی بندشوں کو پورا کرنے کے لیے تیار ہو جو اسلام اپنے ماننے والوں پر عائد کرتا ہے تو وہ حقیقت ایسا گروہ اسلامی نظام کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ یہی صورت حال اس وقت پیدا ہو رہی تھی جس کا کچھ نہ کچھ اندازہ غزوہ تبوک کے موقع پر ہو بھی گیا تھا البتہ اس موقع پر تحریک اسلامی کو اس اندر وہی کمزوری سے بچانے کے لیے ایک نہایت اہم ہدایت یہ دی گئی کہ آبادی میں سے کچھ لوگ اسلام کے مرکزوں پر آئیں مثلاً مدینہ اور مکہ وغیرہ اور یہاں آ کر اسلامی تعلیمات اور اس کی تفصیلات کو سکھیں اور صحیح اسلامی روح کو اپنے اندر جذب کریں پھر واپس جا کر اپنی اپنی بستیوں میں عوام کی تعلیم اور تربیت کا انتظام کریں تاکہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں صحیح اسلامی شعور پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقفیت ہو۔

اس عمومی اسلامی تعلیم سے مراد دراصل لوگوں کو محض لکھنا پڑھنا سکھانا نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا ہو اور ان میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ وہ اسلامی اور غیر اسلامی زندگی کے طریقوں میں تمیز کر سکیں۔ چاہے یہ کام لکھنا پڑھنا سکھانے کے بعد کیا جائے یا بغیر اس کے کیا جائے۔ اصل مقصد دین کا صحیح شعور پیدا کرنا ہونا چاہیے۔ پڑھنا لکھنا اس کے لیے ذریعہ بن سکتا ہے مقصد نہیں بن سکتا۔ (۱)

(۱) وہ لکھنا پڑھنا جس کا مقصد اسلامی شعور پیدا کرنا ہو بلکہ جس کا نتیجہ اسلامی شعور سے محروم ہو، وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے۔

دارالاسلام کی پالیسی کا واضح اعلان

تبوک کی مہم کی کامیابی کے بعد ان سب لوگوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا جوا بھی تک پی آس لگائے بیٹھے تھے کہ کسی نہ کسی وقت اسلامی تحریک کو کوئی ایسا دھکا پہنچا سیں گے کہ اس کا خاتمه ہی ہو جائے گا۔ اب ایسے تمام لوگوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہ گیا کہ وہ اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور اگر خود اس نعمت سے فائدہ نہ اٹھائیں تو کم سے کم ان کی آئندہ نسلیں بالکل اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں۔

اس وقت تقریباً تمام عرب کی حکومت اہل ایمان کے ہاتھ میں تھی اور ان کے مقابلے کے لیے کوئی قابلِ لحاظ طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ اس لیے اب وہ وقت آگیا تھا کہ اسلامی حکومت کی داخلی پالیسی کا واضح اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ حسب ذیل صورت میں پیش کر دی گئی۔

(الف) عرب سے شرک کوقطعًا منادیا جائے اور پرانا مشرکانہ نظام بالکل ختم کر کے عرب کو ہمیشہ کے لیے خالص اسلامی مرکز بنادیا جائے۔ اس غرض کے لیے مشرکین سے قطعی بے تعلقی اختیار کی جائے اور ان کے ساتھ جتنے معاهدے ہیں ان کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔

چنانچہ ۹ھ میں حج کے موقع پر نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حاجیوں کے عامِ مجمع میں اعلان کرادیا:

(۱) جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہو گا جو دین اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے۔

(۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک خانہ کعبہ کے حج کے حج کے لیے نہ آوے۔

(۳) بیت اللہ کے گرد ننگے ہو کر طواف کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی۔

(۴) جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ کا معاهدہ باقی ہے اور جنہوں نے اپنے معاهدے کی مدت تک خلاف ورزی نہیں کی ہے ان کے ساتھ اس معاهدے کی مدت تک وہی معاملات رکھے جائیں گے۔ جن کے بارے میں معاهدہ ہوا ہے لیکن جن لوگوں نے معاهدے کے باوجود اسلامی تحریک کے خلاف سازشیں کی ہیں ان کو مطلع کیا جاتا ہے کہ بس

ابان کے لیے صرف پارسیکی بہلت بانی بھارتی سلسلہ مسلمانوں
سے لڑکا پنچ سو سال یا تک پھر کر طے جائیں یا پھر سوچ مجھ کر اللہ کے درین کو

تجویز ریں اور اسلامی نظام میں شامل ہو جائیں۔

(ب) لکھے کا انتظام اور اس کی تولیت کمر طور پر اعلیٰ توحید کے ہاتھ میں رہے گی۔

مشکوں کو اس عرصے کوئی خل نہ ہوگا۔ اور اب کعبے میں کوئی مسٹر کاشٹر کام اونٹ ہونے نہ ہے گی
بلکہ اب شرک اس پاک گھر کے قریب بھی نہ آنے یا ملے گے۔

آخری حج اور وفات

حج کیلئے روائی:

ہجرت کے دو سال آنحضرت نے حج کا ارادہ فرمایا ذی القعده 10ھ میں اعلان کیا گیا کہ آنحضرت حج کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر تمام عرب میں پھیل گئی۔ اور اس مبارک موقع پر آنحضرت کے ساتھ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے شوق میں تمام عرب امنڈ آیا۔ ذی القعده کی آخری تاریخوں میں آپؐ مدینے سے روانہ ہوئے لور ذی الحجه ۲۳ تاریخ کو صبح کے وقت مکہ تشریف لے آئے۔ آنے کے بعد پہلے کعبے کا طواف کیا۔ اور پھر مقام ابراہیم میں دور کعت نماز ادا فرمائی۔ پھر صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے اتر کر مردہ کی سعی سے فارغ ہو کر آپؐ نے جعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ مٹی میں قیام فرمایا۔ دوسرے دن ۹ ذی الحجه کو صبح کی نماز پڑھ کر آپؐ مٹی سے روانہ ہوئے۔ اور عرفات تشریف لائے یہاں آنحضرت نے وہ تاریخی خطبہ حج پڑھا جس میں اسلام اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس خطبے میں آپؐ نے بہت سے اہم امور کے بارے میں ہدایات دیں۔ ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں فرمایا:

حج کا خطبہ

”مُنْ رَكْهُو، جاہلیت کے دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔“

”عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی

سے پیدا ہوئے تھے۔“

”مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

”تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ، تھی ان کو کھلاو جو خود پہنوا، تھی ان کو پہنوا۔“

”جالیت کے تمام خون باطل کر دیے گئے۔ (اب کسی کو کسی سے پرانے خون کا بدلہ لینے کا حق نہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ریحہ بن الحرش کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔“

”جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے (اب کسی کو کسی سے سود کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں) اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود عباس ابن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔“

”عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈر تو تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔“

”تمہارا خون اور تمہارا مال قیامت تک کیلئے ایک دوسرے پر حرام ہے اسی طرح جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔“

”میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔“

اس کے بعد آپ نے بہت سے اصولی احکام شریعت بیان فرمائے۔ پھر مجمع کی طرف خطاب کر کے پوچھا:-

”تم سے خدا کے یہاں جب میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟“
صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ ”آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔“ آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:-

”اَيُّ اللَّهُ اَتُوْكَا هُنَّا“، اسی موقع پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَّتُ عَلَيْكُمْ نُعْمَانِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ

دین ۵

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بھیت دین کے پسند کیا۔

اسی حج کے موقعہ پر آنحضرت نے حج کے تمام طریقے خود برداشت کر دکھادیے کہ حج کس طرح کرنا چاہیے۔ اسی موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ”مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔“

اسی موقعہ پر آپ نے تمام مسلمانوں سے یہ بھی فرمایا:-
فَلِيلٌ الشاهدُ الغائبُ

جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ (یہ سب باقی) ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔

بیکاری:

صفر ۱۸۱۹ یا ۱۹۱۸ کی تاریخ تھی کہ مزاج مبارک کچھ ناساز ہوا۔ یہ بدھ کا دن تھا۔ پیر کے دن مرض میں شدت ہو گئی۔ جب تک قوت رہی آپ مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھاتے رہے سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ سر میں درد تھا۔ رومال باندھ کر تشریف لائے اور نماز میں سورہ والمرسلات عرفان پڑھی۔ عشاء کے وقت کمزوری بڑھ گئی۔ اور آپ مسجد تشریف نہ لاسکے۔ اور فرمایا کہ ابو بکر نماز پڑھائیں۔ چنانچہ کئی دن تک حضرت ابو بکر نے نماز پڑھائی۔

آخری خطبہ اور ہدایات

درمیان میں ایک دن طبیعت کچھ سنبھلی تو آپ نے غسل فرمایا۔ مسجد تشریف لائے اور ایک خطبہ دیا۔ یہ آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ آپ نے فرمایا:-

”خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا کہ چاہے تو وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت میں) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے۔ میں اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔“ یہ سن کر حضرت ابو بکر ”مجھ گئے کہ اس میں اشارہ کس طرف

ہے، اور آپ روپڑے۔ آنحضرتؐ نے حیر فرمایا:-

”سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور رفاقت کامنون ہوں وہ ابو بکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا درست بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ درست کیلئے کافی ہے۔“

اور ہاں سن لو تم سے پہلے قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ میں تم کو منع کیے جاتا ہوں۔“
پھر فرمایا:-

”حلال اور حرام کی نسبت میری طرف تکی جائے۔ میں نے وہی چیزیں حلال کی ہیں، جو خدا نے حلال کی ہیں۔ اور وہی چیزیں حرام کی ہیں جو خدا نے حرام کیں۔“
اسی مرض کی حالت میں ایک دن آپؐ نے اہل خاندان کو مخاطب کر کے فرمایا:-

”اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؓ اور پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہؓ کچھ کرو۔ جو خدا کے یہاں تمہارے کا آئے۔ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔“

ایک دن مرض کی تکلیف زیادہ تھی۔ آپؐ کبھی چادر منہ پر ڈال لیتے اور کبھی الٹ دیتے۔ اس حالت میں حضرت عائشہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنئے:-

”یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔“

آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے پاس کبھی کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں اسی بے چینی کی حالت میں ایک بار فرمایا:-

”عائشہؓ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔“

رفیق اعلیٰ کی طرف کوچ

مرض میں کبھی زیادتی ہو جاتی اور کبھی کمی۔ جس دن وفات ہوئی۔ یعنی دوشنبہ کے دن اس دن بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ لیکن جیسے جیسے دن چڑھتا گیا آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی گئی۔ اس حالت میں اکثر زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے:-

مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ -

ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔
اور کبھی فرماتے:-

اللَّهُمَّ فِي الرِّفِيقِ الْأَعْلَى -

خداوند! بڑے رفیق ہیں۔

اور کبھی فرماتے:-

بَلِ الرِّفِيقُ الْأَعْلَى -

اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔

یہی کہتے کہتے حالت غیر ہونے لگی۔ اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ -

سالی وفات انج ہے، ربیع الاول کامہینہ تھا۔ دوشنبہ کا دن عام طور پر مشہور ہے کہ تاریخ ۱۲ تھی۔ لیکن اس میں اختلاف ہے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم کی تحقیق کے مطابق یہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی۔

دوسرے دن تجمیر و تکفیر کی محکمل ہوئی اور جسد مبارک اسی مجرے میں جہاں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ پر دکاک کر دیا گیا۔

إِنَّكَ مَبْتُتٌ وَإِنَّهُمْ مَبْتُوْنٌ
إِنَّا إِلَلَهٖ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ